عظمتِ صیام وقیامِ

رمضانِ مبارک

ڈاکٹر اسرار احمد

شائع کردہ:

مکتبہ خدام القرآن لاہور

K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 03-35869501

www.tanzeem.org

رمضان مبارک کے دو متوازی پروگرام

دن کا روزہ، رات کا قیام

☆

حکمت نبویؐ کے دو عظیم شاہکار

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا

غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا

غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

(ترجمہ) جس نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے اور جو رمضان (کی راتوں) میں کھڑا رہا (قرآن سننے اور سنانے کے لئے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کی بھی سابقہ تمام خطائیں بخش دی گئیں۔ (بخاریؒ ومسلمؒ عن ابی ھریرۃؓ)

(دوسری حدیث صفحہ آخر پر)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ
هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی
وَالْفُرْقَانِ ج فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ
فَلْیَصُمْهُ ط وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی
سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ط یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ
الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ز وَلِتُكْمِلُوا
الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝﴾

(البقرة:۱۸۵)

رمضان کا مہینہ ہے
جس میں قرآن اتارا گیا

لوگوں کے لئے ہدایت بنا کر اور ہدایت اور حق
وباطل کے امتیاز کے کھلے دلائل کے ساتھ، سو
جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو وہ اس
کے روزے رکھے، اور جو بیمار ہو یا سفر پر ہو تو
دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔ اللہ تعالیٰ
تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے، تمہارے
ساتھ سختی نہیں کرنا چاہتا اور چاہتا ہے کہ تم تعداد
پوری کرو اور اللہ نے جو تمہیں ہدایت بخشی ہے
اس پر اس کی بڑائی کرو اور تا کہ تم اس کے شکر
گزار بنو۔ (البقرة:۱۸۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

(بر طبع اوّل ۱۹۹۱ء)

۱۹۸۶ء کے ماہِ رمضان المبارک میں امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے کراچی میں ناظم آباد نمبر ۵ کی جامع مسجد میں نمازِ تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمہ قرآن مکمل کیا تھا۔ کراچی میں امیر تنظیم اسلامی کے دورۂ ترجمۂ قرآن کا یہ پہلا موقع تھا۔ اس پروگرام کا آغاز ۳۰ شعبان کی شب کو ''استقبال رمضان المبارک'' کے زیرعنوان امیر تنظیم کے ایک خطاب سے ہوا۔ یہ خطاب نبی اکرم ﷺ کی ایک نہایت جامع حدیث مبارکہ پر مبنی تھا جو اِس موضوع پر حرفِ آخر کا درجہ رکھتی ہے۔ مزید برآں اس موقع پر امیر تنظیم نے سورۃ البقرۃ کے ۲۳ ویں رکوع کی چھ آیات کی روشنی میں نہایت مبسوط' جامع اور پرتاثیر گفتگو فرمائی جس کے حوالے سے روزہ کے ضمن میں قرآن حکیم کی حکمت و ہدایت کی جانب نہایت وضاحت سے رہنمائی ملتی ہے' بالخصوص روزے اور قرآن کا باہمی تعلق اور اس حوالے سے صیام و قیام کی باہمی نسبت مبرہن ہو کر سامنے آتی ہے۔

یہ خطاب قبل ازیں مئی ۱۹۸۸ء کے میثاق میں شامل تھا جو ''رمضان المبارک نمبر'' کی حیثیت سے شائع ہوا تھا۔ مزید افادۂ عام کی غرض سے اب یہ کتابچے کی شکل میں پیشِ خدمت ہے۔

ناظم نشر و اشاعت

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

پس نوشت (اکتوبر ۲۰۰۴ء) پیشِ نظر کتاب کا موجودہ ایڈیشن نظر ثانی کے بعد نئی کمپوزنگ کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے۔

عظمتِ صیام و قیامِ رمضانِ مبارک

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

خطبۂ مسنونہ اور تلاوتِ آیات کے بعد

معزز حاضرین و محترم خواتین!

آج ہم اللہ کے نام سے اور اس کی نصرت و تائید کے بھروسہ پر دورۂ ترجمۂ قرآن کا آغاز کررہے ہیں۔ اس کا طریق کار یہ ہوگا کہ چار رکعات تراویح میں قرآن حکیم کا جتنا حصہ پڑھا جانا ہوگا' ہم قرآن مجید سامنے رکھ کر پہلے اس کا اس طور پر مطالعہ کریں گے کہ مَیں متن کے ساتھ ساتھ ترجمہ کروں گا اور جہاں ضرورت ہوگی وہاں مختصر تشریح و توضیح بھی کرتا رہوں گا۔ اس طرح ہر چار رکعاتِ تراویح میں قرآن مجید کے تلاوت کئے جانے والے حصے کا ترجمہ اور مختصر تشریح ہمارے سامنے آتی رہے گی۔ اس کا بہت مفید اور نہایت افادیت والا پہلو یہ ہے کہ قیام میں قرآن کا جتنا حصہ پڑھا جائے گا' اس کے اکثر و بیشتر ترجمے اور مفاہیم سے سامعین کی ذہنی مناسبت قائم رہے گی اور اس طور پر ان شاء اللہ یہ تراویح کی نماز ہمارے لئے نورٌ علیٰ نور کا مصداق بن جائے گی۔ پچھلے دو سالوں میں ہم لاہور میں قرآن اکیڈمی کی مسجد جامع القرآن میں اسی طور پر دورۂ ترجمۂ قرآن کرچکے ہیں اور الحمدللہ یہ تجربہ بہت کامیاب رہا ہے۔ لوگوں نے ہماری توقعات سے بڑھ چڑھ کر بڑے ذوق و شوق کے ساتھ اس میں شرکت کی۔ شہر کے بعض معروف فزیشن' سرجن' پروفیسر' وکلاء اور تاجر حضرات کے علاوہ عام پڑھے لکھے لوگوں کی ایک بڑی تعداد غایت درجے کے دلی اشتیاق اور پابندی کے ساتھ اس میں مستقل طور پر شریک رہی۔ اور اکثر ایسا ہوتا تھا' خاص طور پر آخری عشرے میں' کہ بلا مبالغہ جامع القرآن کے وسیع و عریض ہال میں اور پھر صحن میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی تھی اور کچھ حضرات کو واپس جانے پر مجبور ہونا پڑتا تھا۔ ہماری معلومات کی حد تک اس طرح ہر چار رکعاتِ تراویح سے قبل ان رکعتوں میں پڑھے

جانے والے قرآن کے مکمل حصے کے ترجمے کا مختصر تشریح وتوضیح کے ساتھ بیان، برصغیر پاک و ہند میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا تجربہ تھا اوراس کی سعادت قسامِ ازل نے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے نصیب میں رکھی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس فضل واحسان پر ہم اللہ تعالیٰ کا کما حقہ شکرادا کرنے سے قاصر ہیں۔

اس سال کے رمضان المبارک میں دورۂ ترجمۂ قرآن کے لئے کراچی کے احباب کا اصرار تھا کہ اسے کراچی میں رکھا جائے۔ خود میری بھی خواہش تھی کہ اس کام کو اہل کراچی سے متعارف کرایا جائے۔ اس ضمن میں فاران کلب کے ارباب حل و عقد نے جگہ اور دوسرے انتظامات کی پیش کش کی تھی، لیکن جگہ وسعت کے لحاظ سے ناکافی سمجھی گئی۔ اس کے بعد اس جامع مسجد ناظم آباد نمبر ۵ کے منتظمین اور محترم خطیب صاحب سے رجوع کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر سے نوازے کہ انہوں نے بڑی خوشی سے مسجد کا اوپر والا ہال جس میں ہم اس وقت بیٹھے ہیں، اس کام کے لئے عنایت فرما دیا اور دیگر ضروریات فراہم کرنے کے سلسلہ میں بھرپور تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے اس بیش بہا دینی تعاون کو قبول فرمائے! دورۂ ترجمۂ قرآن کے آغاز سے قبل یہ بہت مناسب موقع ہے کہ ہم رمضان المبارک کے استقبال کے لئے آج وقت صرف کریں، تاکہ اس ماہ کی برکات سے صحیح طور پر مستفید ہونے کے لئے ہماری کچھ ذہنی تیاری ہو جائے۔

آپ چشم تصور سے یہ دیکھئے کہ آج سے چودہ سو برس قبل مسجد نبویؐ میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جمع ہیں اور ان کے سامنے رمضان المبارک کے بیان کے لئے نبی اکرم ﷺ یہ خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں۔ امام بیہقی روایت کرتے ہیں: **عن سلمان الفارسی** رضی اللہ عنہ **قال: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ** ﷺ **فِیْ آخِرِ یَوْمٍ مِنْ شَعْبَانَ فَقَالَ** "حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ماہِ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک خطبہ دیا، اس میں ارشاد فرمایا" ((**یٰاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّکُمْ شَھْرٌ عَظِیْمٌ**......)) "اے لوگو! تم پر ایک عظمت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے"۔ ظِل "سایہ" کو

کہتے ہیں۔ گویا رمضان کا سایہ شعبان کی آخری تاریخ سے پڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ ((**شَھْرٌ مُبَارَکٌ**)) "یہ مہینہ بڑا بابرکت ہے"...... ((**شَھْرٌ فِیْہِ لَیْلَۃٌ خَیْرٌ مِنْ اَلْفِ شَھْرٍ**)) "اس (مبارک) مہینہ میں ایک رات (شب قدر) ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے"۔ حدیث شریف کے اس ٹکڑے میں قرآن مجید کی سورۃ القدر کی طرف اشارہ ہوگیا کہ ﴿**اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ ۞ وَمَا اَدْرٰٹکَ مَا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ ۞ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ ۞**﴾ "ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔ اور (اے نبی!) آپ کیا سمجھتے کہ شب قدر کیا چیز ہے! (یہ) شب قدر (خیر و برکت میں) ہزار مہینوں سے بہتر ہے"۔ خطبہ میں حضور ﷺ نے آگے ارشاد فرمایا: ((**جَعَلَ اللّٰہُ صِیَامَہٗ فَرِیْضَۃً وَ قِیَامَ لَیْلِہٖ تَطَوُّعًا**)) "اللہ نے اس مہینہ کا روزہ رکھنا فرض ٹھہرایا ہے اور رات میں قیام کرنے (یعنی تراویح) کو نفل قرار دیا ہے"۔ اس بات کو میں آگے چل کر وضاحت سے بیان کروں گا کہ نماز تراویح کی کیا اہمیت ہے، اس کا کیا مقام ومرتبہ ہے، اور پھر یہ کہ رمضان المبارک کی راتوں کے قیام کی اصل روح کیا ہے، اس کا قرآن مجید کے ساتھ ربط وتعلق اور اس کی عظیم ترین افادیت کیا ہے!! البتہ اس وقت پھر نوٹ کر لیجئے کہ حضور ﷺ کے اس خطبہ میں الفاظ ہیں: ((**جَعَلَ اللّٰہُ صِیَامَہٗ فَرِیْضَۃً وَ قِیَامَ لَیْلِہٖ تَطَوُّعًا**)) ظاہر بات ہے کہ قیام اللیل تو ہر شب میں نفل ہے اور اس کی بڑی فضیلت ہے، لیکن حضور ﷺ کے ان الفاظ مبارکہ سے صاف متبادر ہوتا ہے کہ رمضان المبارک میں قیام اللیل کی خصوصی اہمیت وفضیلت ہے۔ اگرچہ فرضیت نہیں ہے، لیکن اللہ کی طرف سے اس کا تطوّع اور اس کی مجعولیت ثابت ہے، کیونکہ دونوں کے ساتھ فعل "**جَعَلَ اللّٰہُ**" آیا ہے۔

آگے فرمایا: ((**مَنْ تَقَرَّبَ فِیْہِ بِخَصْلَۃٍ مِنَ الْخَیْرِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَۃً فِیْمَا سِوَاہُ**)) "جو کوئی بھی اس مہینہ میں نیکی کا کوئی کام کر کے اللہ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنا چاہے گا تو اسے اس کا اجر وثواب اتنا ملے گا جیسے دوسرے دنوں میں کسی فرض کے ادا کرنے پر ملے گا"، یعنی مسنون ونفلی نیکی اس ماہِ مبارک میں اجر وثواب کے

اعتبار سے عام دنوں کی فرض عبادت کی ادائیگی کے مساوی ہو جائے گی۔ اور: ((وَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَۃً فِیْہِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی سَبْعِیْنَ فَرِیْضَۃً فِیْمَا سِوَاہُ)) ''اور جو کوئی اس مہینہ میں فرض ادا کرتا ہے تو اس کو دوسرے زمانہ کے ستر فرض ادا کرنے کے برابر ثواب ملے گا''۔ گویا اگر ہم اس ماہِ مبارک میں ایک فرض نماز ادا کرتے ہیں تو غیر رمضان کی ستر فرض نمازیں ادا کرنے کے برابر ثواب پانے کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ آگے فرمایا: ((وَ ھُوَ شَھْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُہُ الْجَنَّۃُ)) " اور یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا اجر و ثواب جنت ہے''۔ اس مہینہ میں ایک بندۂ مؤمن بھوک پیاس برداشت کرتا ہے' جائز طریقہ سے اپنے جنسی جذبہ کی تسکین سے بھی اجتناب کرتا ہے' لوگوں کی کڑوی کسیلی اور ناخوشگوار باتوں پر خاموشی اختیار کرتا ہے' غیبت و زُور سے بچتا ہے۔ یہ تمام کام اور اسی نوع کے نواہی سے بچنا سب صبر کے مفہوم میں شامل ہیں' اور اس صبر کا بدلہ جنت ہے۔ حدیث شریف کے اس ٹکڑے میں جہاں بشارت ہے وہاں بڑی فصاحت و بلاغت ہے۔ آگے فرمایا: ((وَشَھْرُ الْمُوَاسَاۃِ)) " اور یہ آپس کی ہمدردی اور دم سازی کا مہینہ ہے''۔ اس لئے کہ جس کسی کو کبھی بھوک پیاس کا تجربہ نہیں ہوتا تو اسے اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ کسی بھوکے پیاسے انسان پر کیا بیتتی ہے۔ اس مہینہ میں اسے بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ بھوک کسے کہتے ہیں اور پیاس کیا ہوتی ہے! اس طرح یقیناً دل میں انسانی ہمدردی کا ایک جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ آگے فرمایا: ((وَ شَھْرٌ یُزَادُ فِیْہِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ)) ''اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مؤمن کے رزق میں اضافہ ہوتا ہے''۔ اس میں برکت ہوتی ہے۔

آگے ارشاد ہوا: ((مَنْ فَطَّرَ فِیْہِ صَائِمًا کَانَ لَہٗ مَغْفِرَۃٌ لِذُنُوْبِہٖ وَ عِتْقُ رَقَبَتِہٖ مِنَ النَّارِ)) ''جو کوئی اس مہینہ میں کسی روزہ دار کا روزہ (اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لئے) افطار کرائے گا' اس کے لئے اس کے گناہوں کی مغفرت بھی ہوگی اور اس کی گردن کا آتشِ دوزخ سے چھٹکارا پالینا بھی ہوگا۔'' آگے فرمایا: ((وَکَانَ لَہٗ مِثْلُ اَجْرِہٖ)) ''اور اسے اس روزہ دار کے برابر اجر و ثواب بھی ملے گا'' ((مِنْ غَیْرِ اَنْ

یُنْتَقَصَ مِنْ اَجْرِہٖ شَیْءٌ)) ''بغیر اس کے کہ اس (افطار کرنے والے روزے دار) کے اجر میں سے کوئی بھی کمی کی جائے''۔ آپ حضرات کو معلوم ہوگا کہ حضرت سلمان فارسیؓ ان فقراء صحابہ کرامؓ میں سے تھے جن کے پاس اموال و اسبابِ دُنیوی نہ ہونے کے برابر تھے اور جن پر عام دنوں میں بھی فاقے پڑتے تھے۔ ان اصحابؓ کو اتنی مقدرت کہاں حاصل تھی کہ وہ کسی روزہ دار کو افطار کرا سکتے۔ چنانچہ اسی حدیث شریف میں آگے آتا ہے کہ: قُلْنَا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَیْسَ کُلُّنَا یَجِدُ مَا یُفَطِّرُ بِہِ الصَّائِمَ ''ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم میں سے ہر ایک کو تو روزہ دار کا روزہ افطار کرانے کی استطاعت نہیں ہے (تو کیا ہم اس اجر و ثواب سے محروم رہیں گے)؟'' حضرت سلمان فارسیؓ کی اس بات پر حضور ﷺ نے جو جواب ارشاد فرمایا اسے حضرت سلمان فارسیؓ آگے بیان کرتے ہیں کہ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: ((یُعْطِی اللّٰہُ ھٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰی مَذْقَۃِ لَبَنٍ اَوْ شُرْبَۃٍ مِنْ مَاءٍ)) ''تو رسول اللہ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''یہ ثواب اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھی عطا فرمائے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسّی پر یا صرف پانی کے ایک گھونٹ ہی پر کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے گا''۔

یہاں یہ بات سمجھ لیجئے کہ ہمارے یہاں اس دَور میں کھانے پینے کی اشیاء کی جو افراط ہے اُس وقت اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اُس وقت اگر فقراء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو افطار کے لئے کہیں سے کچھ دودھ مل جاتا تھا تو وہ اس میں پانی ملا کر لسّی بنا لیا کرتے تھے۔ اور کوئی رفیق ایسا بھی ہو جسے یہ بھی میسر نہیں تو اگر وہ اسے اس لسّی میں شریک کرلے تو اُس وقت کے حالات میں یہ بھی بہت بڑا ایثار تھا۔ ہم کو آج کھانے پینے کی جو فراوانی ہے اس کے پیشِ نظر ہم حضور ﷺ کے اس ارشادِ مبارک کی حکمت کو صحیح طور پر سمجھ ہی نہیں سکتے۔ یہ اُس دَور کی بات ہے جب کہ اُن فقراء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کئی کئی دن کے فاقے پڑتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا یہ حال ہوتا تھا کہ کئی کئی دن کے فاقے سے مجھ پر غشی طاری ہو جاتی تھی' لوگ یہ سمجھتے

تھے شاید مجھ پر مرگی کا دورہ پڑا ہے اور آ کر اپنے پاؤں سے میری گردن دباتے تھے۔شاید اُس دَور میں یہ بھی مرگی کا علاج سمجھا جاتا ہو۔ پھر یہ کہ وہاں پانی کے بھی لالے تھے‘ پانی بھی بڑی قیمتی شے تھا۔ بڑی دُور سے اسے کنوؤں سے کھینچ کر لانا پڑتا تھا۔ ماحول کے اس تناظر میں سمجھئے کہ حضورﷺ کے ارشادِ مبارک کا اصل منشاء و مدعا کس نوع کے ایثار و قربانی کے جذبے کو پیدا کرنے کی طرف تھا کہ لوگ اپنی ذات اور اپنی ضروریات کے مقابلے میں اپنے کمزور بھائیوں کی ذات اور ان کی ضروریات کا زیادہ خیال رکھیں۔ یہ بالکل سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ یہاں ایک ضمنی بات یہ سمجھ لیجئے کہ جدید دَور کی عربی میں لبن دہی کو اور حلیب دودھ کو کہا جاتا ہے۔ آگے چلئے‘ حضورﷺ کے ارشاد کا سلسلہ جاری ہے۔حضورﷺ فرماتے ہیں: ((وَمَنْ اَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِي شُرْبَةً لَا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ)) ”اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے گا اسے اللہ تعالیٰ میرے حوض (یعنی حوضِ کوثر) سے ایسا سیراب فرمائے گا کہ (میدانِ حشر کے مرحلہ سے لے کر بقیہ تمام مراحل میں) اس کو پیاس ہی نہیں لگے گی تا آنکہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا“۔

آگے چلئے‘ ابھی نبیٔ رحمت ﷺ کا ارشادِ مبارک جاری ہے۔غور سے سنئے اور پڑھئے۔حضور ﷺ نے فرمایا: ((وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ)) ”اور یہ مہینہ وہ ہے کہ اس کا ابتدائی حصہ (یعنی پہلا عشرہ) اللہ کی رحمت کا ظہور ہے“ ((وَاَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ)) ”اور اس کا درمیانی حصہ (یعنی دوسرا عشرہ) مغفرتِ خداوندی کا مظہر ہے“ ((وَاٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ)) ”اور اس کا آخری حصہ (یعنی تیسرا عشرہ) تو گردنوں کو آتشِ دوزخ سے چھڑا لینے کی بشارت اور نوید سے معمور ہے“ ((وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوْكِهٖ فِيْهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَاَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ)) ”اور جو کوئی اس مہینہ میں غلام و خادم اور زیردستوں کی مشقت میں تخفیف اور کمی کر دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا اور اسے آتشِ دوزخ سے آزادی عطا فرمائے گا“۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ اس حدیث شریف کی رو سے یہ وہ

خطبۂ مبارکہ ہے جو نبی اکرم ﷺ نے شعبان کی آخری تاریخ کو ارشاد فرمایا۔اس سے آپ حضرات کو بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ نے کس طرح یہ چاہا کہ لوگ اس عظمت والے اور برکت والے مہینہ سے مستفیض و مستفید ہونے کے لئے ذہناً تیار ہو جائیں۔اس لئے کہ جب تک کسی شخص کو کسی چیز کی حقیقی قدر و قیمت کا شعور نہ ہو‘ اس وقت تک انسان اس سے صحیح طور پر اور بھرپور استفادہ کر ہی نہیں سکتا۔اب آیئے سورۃ البقرۃ کے تیئیسویں (۲۳) رکوع کی طرف جو چھ آیات پر مشتمل ہے۔میں چاہتا ہوں کہ اختصار کے ساتھ ان آیاتِ مبارکہ کے بارے میں کچھ عرض کروں۔سب سے پہلی بات یہ سمجھ لیجئے کہ روزے کے ساتھ یہ خصوصی معاملہ ہے کہ اس سے متعلقہ مضامین‘ تمام احکام اور اس کی ساری حکمتیں قرآن مجید میں اس مقام پر یکجا ہو کر آ گئی ہیں۔اس کا اوّلین حکم کیا تھا؟ ابتدائی رعایتیں کیا تھیں؟ آخری حکم کیا آیا؟ کتنی رعایتیں برقرار ہیں اور کون سی رعایت ساقط ہو گئی؟ روزے کے تفصیلی احکام کیا ہیں؟ روزے کی حکمت کیا ہے؟ روزے کا دُعا سے کیا ربط و تعلق ہے؟ روزے کی عبادت رزقِ حلال سے کس طور پر مربوط و متعلق ہے؟ روزے کی عبادت کے لئے ماہ رمضان المبارک کا انتخاب کیوں ہوا؟ پھر اس رمضان المبارک کی مناسبت سے صوم کے ساتھ اضافی پروگرام کیا ہے؟ اور اس طرح جو دو آتشہ اور نورٌ علیٰ نور پروگرام بنتا ہے اس کا حاصل کیا ہے؟ یہ تمام مضامین اور موضوعات اس مقام پر چھ آیات میں آ گئے ہیں۔

روزے کی حکمت اور احکام

آپ کے علم میں ہے کہ نماز جو ارکانِ اسلام کی رکنِ رکین ہے‘ جسے حضور ﷺ نے عمادُ الدّین اور قُرَّةُ عَینی فرمایا ہے‘ اس کا یہ معاملہ نہیں ہے۔آپ کو نماز کا ذکر قرآن مجید میں متفرق مقامات پر منتشر ملے گا۔ارکانِ نماز قیام‘ رکوع‘ سجدے کا ذکر بھی ترتیب سے کسی ایک جگہ نہیں ملے گا۔ بلکہ بعض جگہوں میں بھی فرق ہو گا۔ پھر وضو اور تیمّم کا ذکر کہیں اور ہو گا۔اوقات نماز کا بیان متعدد اسالیب سے مختلف سورتوں اور آیتوں میں اشارات و کنایات میں ملے گا۔صلوٰۃِ خوف کا ذکر کہیں اور ملے گا۔الغرض نماز کے

متعلق ساری باتیں آپ کو کہیں ایک جگہ نہیں ملیں گی۔ پھر صلوٰۃ کے ساتھ ایتائے زکوٰۃ کا ذکر آپ کو قرآن مجید میں کثرت سے مختلف مقامات پر نظر آئے گا۔لیکن زکوٰۃ کا نصاب' مقادیر کا تعین اور ادائیگیٔ مدت کا ذکر پورے قرآن مجید میں کہیں نہیں ہے۔اس کے جملہ تفصیلی احکام ہمیں سنت وحدیث شریف میں ملیں گے۔اسی طرح حج کا معاملہ ہے۔سورۃ البقرۃ کے دو رکوع اور سورۃ الحج کے دو رکوع تو وہ ہیں جن میں قدرے تفصیل سے مناسکِ حج کا ذکر ہے۔پھر سورۂ آل عمران میں حج کی فرضیت بیان ہوئی ہے۔سورۃ البقرۃ کے انیسویں (۱۹) رکوع میں سعی بین الصفا والمروۃ کا ذکر ہے۔تو حج کا ذکر بھی قرآن مجید میں آپ کو کم از کم چار جگہ ملے گا۔لیکن صوم یعنی روزے کا معاملہ یہ ہے کہ اگر کوئی ہمت کر کے ان چھ آیات کو سمجھ لے تو گویا ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن یعنی صوم کے بارے میں جو کچھ قرآن حکیم میں آیا ہے' اس کا علم اسے حاصل ہو جائے گا۔تو یہ ہے صوم کا خصوصی معاملہ۔اس پر آپ اپنی توجہات کو مرتکز رکھیں گے تو ان شاءاللہ العزیز آپ محسوس کریں گے کہ بہت بڑی دولت کا خزانہ ہاتھ آیا ہے۔

روزے کے ابتدائی احکام

ابتداء ہی میں یہ بات بھی جان لیجئے کہ ان آیات میں ایک بہت بڑا تفسیری اشکال ہے۔یہ مقام مشکلات القرآن میں سے ہے اور اس ضمن میں مختلف تفسیری آراء ہیں۔ان میں سے جس رائے پر میرا دل ٹھکا ہے' وہ سلف میں بھی موجود ہے اور خلف میں بھی موجود ہے' لیکن متداولہ اُردو تفاسیر میں عام طور پر اس کا ذکر نہیں ہے' لہٰذا وہ رائے نگاہوں سے اوجھل ہے۔وہی بات اس وقت مَیں آپ کے سامنے رکھوں گا' لیکن اس کے لئے تمام دلائل دینا اس وقت ممکن نہیں ہوگا' چونکہ اس وقت ان آیات کا مفصّل درس پیشِ نظر نہیں ہے۔وہ رائے یہ ہے کہ اس رکوع کی جو پہلی دو آیات ہیں یہ رمضان کے روزے کے متعلق نہیں ہیں' بلکہ ابتداء میں جب نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپؐ نے مسلمانوں کو ہر مہینے میں ایامِ بیض کے تین روزے رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ایامِ بیض سے مراد ہیں روشن راتوں والے دن' یعنی تیرھویں' چودھویں

اور پندرھویں راتوں سے ملحق دن۔ان تین دنوں کے روزوں سے متعلق ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم کے طور پر ان دو آیات میں آ گئی۔یہ ایک رائے ہے اور میں اسے ہی بیان کر رہا ہوں۔جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس کے علاوہ دوسری آراء بھی ہیں' لیکن میرا دل اسی پر مطمئن ہوا ہے۔

اس موقع پر میں آپ کو بتاتا چلوں کہ جب میں میڈیکل کالج میں پڑھتا تھا اس وقت اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں قرآن مجید کے غور وتدبر کے ساتھ مطالعے کی رغبت پیدا فرمائی تو اسی مطالعہ اور غور وفکر کے نتیجہ میں ان دو آیات کے متعلق وجدانی طور پر میری یہ رائے بن گئی تھی کہ ان کا تعلق ایامِ بیض کے تین روزوں سے ہے' جن کا اہتمام دورِ نبویؐ سے تا حال نفلی روزوں کی حیثیت سے چلا آ رہا ہے۔لیکن اُس وقت جو بھی اردو تفاسیر میرے زیر مطالعہ رہتی تھیں' ان میں مجھے یہ رائے نہیں مل رہی تھی۔اچانک ایک روز میری نظر سے ماہنامہ ''زندگی'' رامپور (بھارت) میں (جو جماعت اسلامی ہند کا ترجمان تھا) ایک مضمون گزرا جس میں ایک صاحب نے مولانا انور شاہ کاشمیریؒ کی اس رائے پر تنقید کی تھی کہ سورۃ البقرۃ کی آیات ۱۸۳ اور ۱۸۴ (یعنی تیئیسویں رکوع کی پہلی دو آیات) کا تعلق رمضان المبارک کے روزوں سے نہیں' بلکہ ایامِ بیض کے تین روزوں کی فرضیت سے ہے جو ماہِ رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد نفل کے طور پر رہ گئے ہیں۔یہی رائے میری تھی۔تو مجھے اس مضمون سے تقویت حاصل ہوگئی کہ مولانا انور شاہ کاشمیریؒ جن کو بیہقیٔ وقت کہا گیا ہے' کی بھی یہی رائے ہے۔امام بیہقیؒ کا شمار اپنے دَور کے ائمۂ محدثین میں ہوتا ہے۔لہٰذا میرے لئے ''متفق گردید رائے بو علی با رائے من'' والا معاملہ ہوگیا۔اس طرح بڑی مضبوط دلیل میرے ہاتھ آ گئی۔ اگرچہ مضمون نگار نے حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے پر تنقید کی تھی کہ بڑی بودی' کچی اور بے بنیاد بات ہے جو شاہ صاحبؒ نے کہہ دی' لیکن جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ مجھے اپنی وجدانی رائے کی تائید میں حضرت شاہ صاحبؒ کے حوالہ سے ایک دلیل مل گئی۔اس کے کافی عرصہ کے بعد جب میں نے امام فخر الدین رازیؒ کی تفسیر ''تفسیر

کبیر'' کا مطالعہ کیا تو دیکھا کہ انہوں نے بہت سے ان تابعین کے ناموں کے حوالے سے جو مفسرینِ قرآن کی حیثیت سے مشہور ہیں' اسی رائے کا اظہار کیا ہے کہ ان دو آیات (۱۸۳'۱۸۴) کا تعلق ان تین دن کے روزوں کی فرضیت کے حکم سے ہے جو اَب ایامِ بیض کے نفلی روزے کہلاتے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ رائے سلف میں بھی موجود تھی اور ہمارے اس دَور میں حضرت انور شاہ کاشمیریؒ جیسے جیّد عالم' محدث' مفسر اور فقیہہ کی بھی یہی رائے ہے۔ چنانچہ مجھے اس رائے کو بیان کرنے میں اب کوئی باک نہیں رہا اور اب میں اسے اعتماد کے ساتھ پیش کر رہا ہوں۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ان آیات کا تعلق ماہِ رمضان کے روزوں سے نہیں' بلکہ ان تین دن کے روزوں سے ہے جن کی ہدایت نبی اکرم ﷺ نے دی تھی۔ اس میں چند رعایتیں بھی رکھی گئی تھیں۔ ایک یہ کہ اگر ان تین دنوں میں بیمار ہو تو کوئی سے اور تین دنوں میں رکھ لو۔ اگر تم سفر پر ہو' تو بعد میں ان کی قضا ادا کر سکتے ہو۔ ایک رعایت مزید تھی' اور اس کا تعلق اسلام کی حکمت تشریعی سے ہے کہ لوگوں کو تدریجاً خوگر بنایا گیا ہے۔ اور چونکہ اہلِ عرب روزے سے واقف ہی نہیں تھے' وہ صوم کی عبادت جانتے ہی نہیں تھے' حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے وہ جن روایات کی پابندی کرتے تھے اور جسے وہ دینِ حنیف کہتے تھے' اس میں روزہ نہیں تھا' لہٰذا اس روزہ سے مانوس کرنے کے لئے ابتداء میں یہ رعایت بھی رکھی گئی کہ اگر تم صحت مند ہونے کے باوجود اور مقیم ہونے کے باوصف روزہ نہ رکھو تو ایک مسکین کو کھانا کھلا دو' یہ اس کا فدیہ بن جائے گا۔ اس کے بعد جب رمضان کے روزے والی آیت (آیت نمبر ۱۸۵) نازل ہوئی تو پہلی دو رعایتیں تو علیٰ حالہٖ برقرار رہیں کہ اگر کبھی بیمار ہو یا مسافر ہو تو قضا کر سکتے ہو' تعداد بعد میں پوری کر لو' لیکن وہ جو تیسری مزید رعایت فدیہ ادا کرنے کی تھی' وہ ساقط ہو گئی۔

اس کے بارے میں امام رازیؒ نے یوں لکھا ہے: یہ فقہی اصطلاحات ہیں کہ پہلے روزے کا وجوب ''علی التخییر'' تھا کہ تمہیں اختیار ہے کہ روزہ رکھو یا اس کے فدیہ

کے طور پر ایک مسکین کو کھانا کھلا دو۔ اب ''علی التعیین'' ہو گیا کہ معین روزہ لازم ہے' فرض ہے جو ہر مسلمان کو رکھنا ہوگا۔ یہ ہے اصل میں تین آیات (آیات ۱۸۳'۱۸۴'۱۸۵) میں ربط کی ایک شکل' جس کے متعلق میں نے عرض کیا کہ سلف میں بھی یہ رائے موجود ہے اور ہمارے دَور میں حضرت انور شاہ کاشمیریؒ کی بھی یہی رائے ہے۔

اب ہم ان آیاتِ مبارکہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ﴾ ''اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا''۔ یہاں یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ عام طور پر ''صیام'' کا ترجمہ ''روزے'' کر دیا جاتا ہے' یعنی جمع کے صیغہ میں' جو درست نہیں ہے۔ صیام دراصل صوم کی جمع نہیں ہے' بلکہ مصدر ہے۔ صَامَ' یَصُوْمُ' صَوْمًا و صِیَامًا ___ صوم اور صیام دونوں مصدر ہیں۔ جیسے قَامَ' یَقُوْمُ' قِیَامًا میں قیام مصدر ہے۔

صوم کا لغوی مفہوم

عربوں کے یہاں صوم یا صیام کے لفظ کا اطلاق اور مفہوم کیا تھا اور اس سے وہ کیا مراد لیتے تھے' اب ذرا اسے بھی سمجھ لیجئے! عرب خود تو روزہ نہیں رکھتے تھے' البتہ اپنے گھوڑوں کو رکھواتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اکثر عربوں کا پیشہ غارت گری اور لوٹ مار تھا۔ پھر مختلف قبائل کے مابین وقفہ وقفہ سے جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ ان کاموں کے لئے ان کو گھوڑوں کی ضرورت تھی اور گھوڑا اس مقصد کے لئے نہایت قیمتی جانور تھا کہ اس پر بیٹھ کر تیزی سے جائیں' لوٹ مار کریں' شب خون ماریں اور تیزی سے واپس آ جائیں۔ جبکہ اونٹ تیز رفتار جانور نہیں ہے۔ پھر وہ گھوڑے کے مقابلے میں تیزی سے اپنا رُخ بھی نہیں پھیر سکتا۔ مگر گھوڑا جہاں تیز رفتار جانور ہے' وہاں تنک مزاج اور نازک مزاج بھی ہے۔ چنانچہ وہ تربیت کے لئے گھوڑوں سے یہ مشقت کراتے تھے کہ ان کو بھوکا پیاسا رکھتے تھے۔ ان کے مُنہ پر ایک ''توبڑا'' چڑھا دیتے تھے۔ اس عمل کو وہ صوم کہتے تھے اور جس گھوڑے پر یہ عمل کیا جائے اسے وہ صائم کہتے تھے' یعنی یہ روزہ سے ہے۔ اس طرح وہ گھوڑوں کو بھوک پیاس جھیلنے کا عادی بناتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو

کہ گھوڑا بھوک پیاس برداشت نہ کرے اور جی ہار دے۔ اس طرح تو سوار کی جان شدید خطرہ میں پڑ جائے گی اور اسے تو زندگی کے لالے پڑ جائیں گے۔ مزید یہ کہ عرب اس طور پر گھوڑوں کو بھوکا پیاسا رکھ کر موسم گرما اور لُو کی حالت میں انہیں لے کر میدان میں جا کھڑے ہوتے تھے۔ وہ اپنی حفاظت کے لئے اپنے سروں پر ڈھاٹے باندھ کر اور جسم پر کپڑے وغیرہ لپیٹ کر ان گھوڑوں کی پیٹھ پر سوار رہتے تھے اور ان گھوڑوں کا مُنہ سیدھا لُو اور بادِ صرصر کے تھپیڑوں کی طرف رکھتے تھے‘ تاکہ ان کے اندر بھوک پیاس کے ساتھ لُو کے اُن تھپیڑوں کو برداشت کرنے کی عادت پڑ جائے اور کسی ڈاکے کی مہم یا قبائلی جنگ کے موقع پر گھوڑا سوار کے قابو میں رہے اور بھوک پیاس یا بادِ صرصر کے تھپیڑوں کو برداشت کر کے سوار کی مرضی کے مطابق مطلوبہ رُخ برقرار رکھے اور اس سے مُنہ نہ پھیرے۔ تو عرب اپنے گھوڑوں کو بھوکا پیاسا رکھ کر جو مشقت کراتے تھے اور جس پر وہ صوم کا لفظ یعنی روزہ کا اطلاق کرتے تھے‘ اس مشق کے متعلق گویا اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنے گھوڑوں کو تم جو روزہ رکھواتے ہو‘ وہ تم خود بھی رکھو۔ تم پر بھی یہ فرض کر دیا گیا۔ ساتھ ہی فرمایا: ﴿كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ ''تم سے پہلے جو اُمتیں تھیں‘ جیسے ان پر روزہ فرض کیا گیا تھا ویسے ہی تم پر بھی فرض کیا گیا ہے''۔ چونکہ عرب کے لوگ روزے کے عادی نہیں تھے تو پہلی بات سمجھانے کے انداز میں فرمائی گئی کہ یہ تمہارے لئے نیا حکم‘ کوئی نئی مشقت نہیں ہے۔ یہ حکم پہلی اُمتوں کو بھی مل چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا فرضیت کے لحاظ سے ہے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ تعداد‘ زمانہ اور آداب وشرائط کے اعتبار سے نہیں ہو سکتا‘ چونکہ یہ بات ہم کو معلوم ہے کہ شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام اور سابقہ انبیاء ورُسل کی شرائع میں فرق رہا ہے۔

روزے کا مقصود۔ حصولِ تقویٰ

دوسری بات یہ سمجھائی گئی کہ تمہیں اس مشقت وتکلیف میں ڈال کر اللہ تعالیٰ کو کوئی مسرت حاصل نہیں ہوتی‘ معاذ اللہ! اس میں تمہارے لئے مصلحت ہے۔ اور وہ کیا ہے! ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ ''تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو جائے''۔ گویا روزے کی مصلحت ہے

تقویٰ۔ تقویٰ کے معنی اور مفہوم کو جان لینے سے یہ مصلحت اور حکم بڑی آسانی سے سمجھ میں آ جائے گا۔ ''تقویٰ'' کے معنی ہیں ''بچنا''۔ قرآن مجید نے اس میں اصطلاحی مفاہیم پیدا کئے‘ یعنی اللہ کے احکام کو توڑنے سے بچنا‘ حرام سے بچنا‘ معصیت سے بچنا‘ یہ تقویٰ ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے نفس کے بہت سے تقاضے ہیں۔ مثلاً پیٹ کھانے کو مانگتا ہے۔ فرض کیجئے کہ کوئی حلال چیز کھانے کو نہیں ہے تو اگر کوئی مسلمان اس بھوک کے ہاتھوں مجبور ہو جائے تو حرام میں مُنہ مار بیٹھے گا۔ لہٰذا اس میں یہ عادت ڈالی جائے کہ آخری حد تک بھوک پر قابو پانے میں کامیاب رہے۔ اسی طرح پیاس کو کنٹرول میں لائے‘ شہوت کو کنٹرول میں رکھے۔ ساتھ ہی نفس کی اُن خواہشات پر قابو پانے کی مشق حاصل ہو جو دین کے منافی ہوں۔ لہٰذا طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور تعلقِ زن وشو سے کنارہ کش ہونے کی جو مشق کرائی جاتی ہے اس کا مقصد ہے ضبطِ نفس‘ تاکہ ایک بندۂ مؤمن کو اپنے نفس کے مُنہ زور گھوڑے کے تقاضوں پر قابو پانے اور کنٹرول میں رکھنے کی مشق ہو جائے اور عادت پیدا ہو جائے۔ یہ ساری گفتگو خاص طور پر پورے رمضان المبارک سے متعلق ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ ہماری تقویم قمری ہے جس کے نویں مہینے کو رمضان کہا جاتا ہے۔ ہر برس قمری اور شمسی سال میں دس گیارہ دن کا فرق واقع ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ قمری مہینوں اور شمسی مہینوں کے موسموں میں مطابقت نہیں ہوتی۔ لہٰذا قمری تقویم کے مطابق گھوم پھر کر رمضان کا مہینہ سال کے ہر موسم میں آتا رہتا ہے۔ مئی سے جولائی تک ہمارے ملک کے اکثر وبیشتر علاقوں میں شدید گرمی پڑتی رہتی ہے۔ ایسے گرم موسم میں پیاس سے حلق میں جو کانٹے چبھتے ہیں اس کا عملی تجربہ خاص طور پر روزہ رکھنے کے بعد ہوتا ہے۔ لیکن چاہے سامنے بہترین مشروبات موجود ہوں‘ اگر آپ روزے سے ہیں تو ان کو پی نہیں سکتے‘ اس لئے کہ اللہ کی اجازت نہیں ہے۔ کھانے کی مرغوب چیزیں موجود ہیں لیکن بھوک اور نقاہت کے باوجود نہیں کھا سکتے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ کا حکم نہیں ہے۔ اسی طریقہ سے بیوی موجود ہے۔ دن میں اپنی شہوت کو جائز طور پر پورا کیا

جا سکتا ہے، لیکن نہیں کرتے ۔ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ نے ممانعت کر رکھی ہے۔ اب سوچئے کہ ایک مقررہ وقت سے لے کر دوسرے مقررہ وقت تک آپ اگر اللہ کی حلال کردہ چیزیں پورے تیس دن اس لئے استعمال نہیں کر رہے کہ اللہ نے اس کی اجازت نہیں دی، تو اس سے آپ کے اندر ایک مضبوط قوتِ ارادی کے ساتھ یہ استطاعت اور استعداد پیدا ہونی چاہئے کہ بقیہ گیارہ مہینوں میں بھی تقویٰ کی روش پر مستقیم رہیں۔ لہٰذا پورے رمضان کے روزے دراصل تقویٰ کی مشق ہے۔ صوم کی فرضیت کے ساتھ ''**لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ**'' ایک چھوٹا سا فقرہ ہے، لیکن غور و تدبّر کیا جائے تو یہ دو لفظی جملہ بڑا ہی پیارا، نہایت عجیب اور بڑی جامعیت کا حامل ہے۔ اس کے اندر روزے کی ساری ظاہری و باطنی اور انفرادی و اجتماعی فضیلتیں آ گئیں۔ اور یہ بات روزِ روشن کی طرح مبرہن ہو گئی کہ روزے کا مقصود حصولِ تقویٰ ہے، بالخصوص نفس کا تقویٰ۔ یعنی اللہ کی محبت کے شوق اور اللہ کی نافرمانی کی سزا کے خوف سے اللہ کے اوامر و نواہی پر استقلال کے ساتھ مستقیم رہنے کے لئے اپنے نفسِ امّارہ کو قابو میں رکھنے کی تربیت اور ٹریننگ حاصل کرنا۔ اس کے لئے ہمارے دین کی معروف و جامع اصطلاح ہے ''تزکیہ''۔

روزہ اور روحِ انسانی

بات سمجھانے کے لئے اگر دَورِ جدید کے مشہور ماہر نفسیات فرائڈ کی اصطلاحات استعمال کروں تو وہ یوں ہو گا کہ اپنی 'id' یا 'libido' کو کنٹرول میں رکھنے کی مشق۔ فرائڈ نے کہا ہے کہ انسانی شخصیت کی تین سطحیں ہیں۔ سب سے نچلی سطح کے لئے وہ 'id' یا 'libido' کی اصطلاح استعمال کرتا ہے ۔ یعنی شہوانی، نفسانی اور حیوانی تقاضے اور داعیات۔ دوسرے 'ego' یعنی مَیں، 'انا'، انانیت یا خودی ــــ تیسرے 'super ego' یعنی انائے کبیر' اس سے مراد اعلیٰ اخلاقی اقدار ہیں۔ اگر خودی کمزور ہے تو گویا انسان اپنے حیوانی نفس کا تابع ہے اور اگر خودی مضبوط ہے تو یہ ضبطِ نفس کا کام کرے گی۔ اس کی بہترین مثال یہ ہے کہ اگر آپ گھوڑے پر سوار ہیں اور باگیں کمزور ہیں تو گھوڑا آپ پر حاوی ہے، وہ جب چاہے گا آپ کو پٹخ دے گا یا آپ کو اپنی

مرضی سے جدھر چاہے گا لے جائے گا۔ اور اگر آپ قوی ہیں اور گھوڑے پر قابو یافتہ ہیں تو یہ گھوڑا آپ کا مطیع ہے، آپ جدھر جانا چاہیں گے وہ آپ کو لے جائے گا۔ تو جس طریقہ سے راکب اور مرکب کا معاملہ ہے، یعنی انسان جو گھوڑے پر سوار ہے اور گھوڑا جو انسان کی سواری ہے، اسی طرح ہماری خودی اور ہمارے نفس کا معاملہ ہے۔ ہماری خودی راکب ہے اور نفس اس کا مرکب۔ خودی کمزور ہو گی تو نفس کے بس میں آ جائے گی، نفس جو چاہے گا حکم دے گا اور پورا کرائے گا۔ گویا ہم اس کے تابع ہیں اور اس کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑے ہیں۔ اگر خودی مضبوط ہے، انا مضبوط ہے اور نفس پر قابو یافتہ ہے تو یہ نفس انسان کے لئے نیکیاں، بھلائیاں اور خیر کمانے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

اب یہاں ایک بات کا اور اضافہ کر لیجئے کہ غیبت، جھوٹ، فحش باتیں، بدزبانی اور دل آزاری وغیرہ قسم کے گناہوں سے بچنے کی قرآن و حدیث میں بڑی تاکید آئی ہے۔ لیکن حدیث شریف میں خاص طور پر روزے کی حالت میں ان گناہوں سے بچنے کی مزید تاکید آئی ہے کہ اگر روزے دار نے ان گناہوں سے اجتناب نہیں کیا تو اس روزے سے فاقے اور رات کے قیام میں محض رت جگے کے سوا اس کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ اس ضمن میں چند احادیثِ شریفہ میں ان شاء اللہ آگے بیان کروں گا۔ اب پھر متن کی طرف رجوع کیجئے۔ پہلی آیت واضح ہو گئی:

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾

''اے اہل ایمان! تم پر روزہ فرض کیا گیا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں (اُمتوں) پر فرض کیا گیا تھا، تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو جائے (تم متقی بن جاؤ)۔''

رمضان المبارک نزولِ قرآنِ حکیم کا مہینہ

اب اگلی آیت اسی کے ساتھ ہے۔ گویا اسی کا ضمیمہ یا اسی کی تشریح ہے۔ اس میں تمہید ہے کہ گھبراتے کیوں ہو؟ گنتی کے چند دن ہی تو ہیں! میں نے ترجمہ میں جو انداز اختیار کیا ہے، وہ اس لیے کہ یہاں جو لفظ ''معدودات'' آیا ہے، تو اس وزن پر جمع قلت

آتی ہے اور جمع قلت کا اطلاق نو سے کم پر ہوتا ہے۔ اس سے بھی یہ دلیل ملتی ہے کہ یہ یقیناً ایّا مِ بیض کے تین روزوں سے متعلق ابتدائی حکم ہے۔ انتیس یا تیس دن کے روزے تو ''ایام معدودات'' شمار نہیں ہو سکتے۔ ان کو گنتی کے دن تو نہیں کہا جا سکتا۔ چنانچہ یہ بھی درحقیقت اس بات کی دلیل ہے کہ وہی رائے قوی ہے کہ ابتدا میں جو تین دن کے روزے فرض کئے گئے تو وہ انسان کے نفس پر اتنے بھاری گزرنے والے نہیں تھے' لہٰذا ہمت دلانے' ڈھارس بندھانے اور تسلی دینے کے لئے فرمایا: ﴿اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ﴾ ''گنتی کے چند دن ہی تو ہیں۔''

پھر اس میں مزید رعایت بیان فرمائی: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ﴾ ''پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ تعداد پوری کرلے دوسرے دنوں میں۔'' آگے فرمایا: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ﴾ ''اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں (پھر نہ رکھیں) تو ان کے ذمہ (ایک روزہ کا) فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔'' اس رعایت کا تعلق بھی ایامِ بیض کے روزوں سے تھا۔ آگے تشویق دلائی: ﴿فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ﴾ ''پھر جو اپنی خوشی سے زیادہ نیکی کمائے تو یہ اس کے حق میں بہتر ہے۔'' اس کے معنی یہ ہوئے کہ روزہ بھی رکھو اور ایک مسکین کو کھانا بھی کھلاؤ تو کیا کہنے! یہ نورٌ علٰی نور والا معاملہ ہوگا۔ آگے ارشاد ہوا: ﴿وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۞﴾ ''اور اگر تم روزہ رکھو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھ سے کام لو''۔ اس سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ یہ رعایت خصوصی ہے' ورنہ پسندیدہ یہی ہے کہ ایک مسکین کو روزے کے فدیہ کے طور پر کھانا کھلانے کی بجائے خود روزہ رکھو۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے تم کو رعایت تو دی ہے' لیکن اگر تم سمجھ سے کام لو تو تم خود جان لو گے کہ روزے میں کتنی حکمت ہے' کتنی مصلحت ہے' کتنی برکت ہے۔ اس کی کیا عظمت ہے اور اس کے کیا فائدے ہیں۔ تو اگر تم یہ سب سمجھ لو گے تو یقیناً تم روزہ ہی رکھو گے۔ میرا جو کچھ بھی تھوڑا بہت مطالعہ اور غور و فکر کا معاملہ ہے تو میرے نزدیک ان حضرات کی رائے قوی ہے جو

اِن دو آیات کو ابتدائی طور پر فرض ہونے والے ایامِ بیض کے تین روزوں سے متعلق قرار دیتے ہیں۔ ان آیات میں صومِ رمضان کا حکم نہیں ہے۔ رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم بعد میں آیا ہے' جس کے بعد ایامِ بیض کے روزے نفل کے درجے میں رہ گئے۔

اب آگے اس نوع کی تیسری آیت آتی ہے جو کچھ عرصہ بعد نازل ہوئی' لیکن مضمون کی مناسبت سے اس کو اور بقیہ تین آیات کو اسی مقام پر شامل کر دیا گیا۔ جیسے سورۃ المزمل کے متعلق قرآن مجید کا ہر قاری جانتا ہے کہ یہ مکی سورت ہے' لیکن اس کا دوسرا رکوع جو صرف ایک آیت پر مشتمل ہے' وہ بعد میں مدنی دَور میں نازل ہوا ہے۔ اور مضمون کی مناسبت سے یہ آخری آیت سورۃ المزمّل کے ساتھ رکھ دی گئی ہے۔ اسی طریقے سے یہاں زمانی اعتبار سے اگلی آیت اور پچھلی دو آیات میں بُعد ہے' لیکن جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ موضوع کی مناسبت سے اسے پہلے حکم کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے۔

اب اگلی آیت کے مطالعہ کی طرف توجہات کو مبذول فرمایئے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ ''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔'' ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ﴾ ''جو انسانوں کے لئے سراسر ہدایت ہے اور ایسی تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں''۔ یعنی لوگوں کے لئے ہدایت و رہنمائی بنا کر اور یہ ہدایت و رہنمائی بھی گنجلک' مبہم یا پہیلیوں کے انداز میں نہیں' بلکہ بڑی روشن اور بہت واضح' اور حق و باطل میں تمیز کر دینے والے کھلے اور مضبوط دلائل کے ساتھ۔ یہ ہیں قرآن حکیم کی متعدد شانوں میں سے تین اہم ترین شانیں جو یہاں بیان ہوئیں کہ یہ صحیح راہ کی طرف راہنمائی کرنے والی کتاب ہے' یہ الھدیٰ ہے' یہ بیّنات پر مشتمل ہے اور یہ الفرقان ہے' حق و باطل میں امتیاز کرنے والی کتاب ہے۔ آگے فرمایا: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ﴾ ''پس جو کوئی بھی تم میں سے اُس مہینہ میں موجود ہو اُس پر لازم ہے کہ وہ اس ماہ کے روزہ رکھے۔'' یہاں کلمہ ''ف'' دونوں جگہ فرضیت کا

فائدہ دے رہا ہے۔اب یہ صوم رمضان کا ذکر ہو رہا ہے۔اس آیت مبارکہ میں ''شُھودُ الشّھر'' کے الفاظ نہایت قابل توجہ ہیں' یعنی رمضان کے مہینے کا پا لینا۔ یہاں یہ بات جان لیجئے کہ کرۂ ارض پر ایسے منطقے بھی ہیں جہاں چاند شروعِ مہینہ میں ظاہر ہی نہیں ہوتا' جس طرح ایسے خطے بھی ہیں جہاں سورج ہی طلوع نہیں ہوتا یا برائے نام طلوع ہوتا ہے اور وہاں پر گھڑی کے حساب سے نماز ادا کی جاتی ہے۔لہٰذا وہاں تقویم (جنتری) سے حساب کر کے رمضان کے مہینے کے روزے رکھنے فرض ہوں گے۔'' شُھودُ الشّھر'' میں یہ بات شامل ہے۔ یہ اعجازِ قرآنی ہے کہ یہ ایسے الفاظ لاتا ہے جن سے استدلال کر کے ہر منطقے اور خطے کے مسائل کے لئے حل نکالے جا سکتے ہیں۔

اب ایک اور اہم بات پر غور کیجئے کہ روزوں کے لئے کوئی سا بھی مہینہ چنا جا سکتا تھا۔روزے جس مہینے میں بھی رکھے جاتے' ضبطِ نفس کی مشق کا مقصد پورا ہو سکتا تھا۔ان روزوں کے لئے ماہِ رمضان کا انتخاب کیوں ہوا! اس کا جواب شروع ہی میں دے دیا گیا ﴿شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ یہ نزولِ قرآن کا مہینہ ہے' جس میں دن کے روزے کے ساتھ نبی اکرم ﷺ نے قیام اللیل کو تطوّع اور مجعول من اللہ قرار دیا ہے' جیسا کہ ہم حضرت سلمان فارسیؓ کی روایت میں پڑھ آئے ہیں۔اب ذرا قیام اللیل کی اہمیت کو جاننے کے لئے اُمت کے دو جلیل القدر ائمۂ حدیث امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ کی وہ حدیث بھی سن لیجئے جو اِن دونوں اماموںؒ نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ کتب احادیث میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا جو مرتبہ و مقام ہے' مجھے اسے بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے' چونکہ ہر وہ شخص اس سے ناواقف اور لاعلم نہیں رہ سکتا جو دین سے تھوڑا بہت بھی شغف رکھتا ہو۔

صیام و قیام-لازم وملزوم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ)) (رواہ البخاری ومسلم)

''جس نے روزے رکھے رمضان میں ایمان واحتساب کے ساتھ' بخش دیئے گئے اس کے تمام سابقہ گناہ' اور جس نے (راتوں کو) قیام کیا رمضان میں ایمان واحتساب کے ساتھ' بخش دیئے گئے اس کے جملہ سابقہ گناہ۔''

آپ نے دیکھا کہ صحیحین کی اس حدیث کی رو سے صیام اور قیام بالکل ہم وزن اور متوازی ومساوی ہو گئے! اس حدیث میں ''قَامَ'' کا جو لفظ آیا ہے اس کا ترجمہ میں نے ''راتوں کو قیام'' کیا ہے۔

روزہ اور قرآن کی شفاعت

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ملاحظہ فرمائیں! اس حدیث کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے'' شعب الایمان'' میں روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلصِّیَامُ وَالْقُرْآنُ یَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ ' یَقُوْلُ الصِّیَامُ اَیْ رَبِّ اِنِّیْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْهِ وَیَقُوْلُ الْقُرْآنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّیْلِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْهِ فَیُشَفَّعَانِ))

''روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے (یعنی اس بندے کی جو دن میں روزے رکھے گا اور رات میں اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر اُس کا پاک کلام قرآن مجید پڑھے گا یا سنے گا)۔ روزہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور نفس کی خواہش پوری کرنے سے روکے رکھا تھا' آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما (اور اس کے ساتھ مغفرت و رحمت کا معاملہ فرما)! اور قرآن کہے گا: میں نے اس کو رات کے سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا' خداوند آج اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما (اور اس کے ساتھ بخشش اور عنایت کا معاملہ فرما)! چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندہ کے حق میں قبول فرمائی جائے گی (اور اس کے لئے جنت اور مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جائے گا اور خاص مراحم خسروانہ سے اسے نوازا جائے گا)''

اس حدیث شریفہ سے بات بالکل منقّح اور مبرہن ہو گئی کہ حضرت سلمان فارسیؓ کی

حدیث میں جس قیام کا ذکر ہے' اس سے اصل مراد اور اس کا اصل مدّعا و منشاء یہ ہے کہ رمضان کی راتیں یا ان کا زیادہ سے زیادہ حصہ قرآن مجید کے ساتھ بسر کیا جائے۔ یقیناً اب آپ لوگ سمجھ لیں گے کہ میری اس رائے کی بنیاد کیا ہے کہ پوری رات قرآن کے ساتھ بسر ہونی چاہئے۔ اس حدیث سے نہ صرف یہ مترشح ہوتا ہے کہ افضل عمل یہ ہے کہ رمضان کی پوری رات قرآن مجید کے ساتھ گزرے' بلکہ اس حدیث کی رو سے یہ بات وجوب کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔ میں آپ حضرات کو دعوت دیتا ہوں کہ اس حدیثِ شریفہ کے الفاظ پر غور کیجئے۔ صیام و قیام کا ہم وزن اور متوازی معاملہ ہے کہ نہیں؟ روزے میں آپ کتنا وقت گزارتے ہیں' اس نقطۂ نظر سے صیام و قیام کے متوازی الفاظ پر پھر غور کیجئے۔ کیا الفاظ کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ جس طرح دن روزے کی حالت میں گزرا ہے' اُسی طرح رات قرآن کے ساتھ گزاری جائے۔ قرآن کی تلاوت قیام یعنی صلوٰۃ کے ساتھ افضل ترین ہے اور بیٹھ کر اس کا مطالعہ بھی بہت بابرکت ہے۔ یہی معاملہ متفق علیہ روایت کا بھی ہے جو میں اس حدیث سے قبل آپ کو سنا چکا ہوں جس میں ایمان و احتساب کے ساتھ صیام و قیام پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام پہلے گناہوں کی مغفرت کی بشارت دی ہے۔ پس ان احادیث سے دین کی روح یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگر واقعتاً اس ماہ مبارک کی برکتوں اور عظمتوں سے استفادہ کا عزم اور ارادہ ہے تو اس کا حق یہ ہے کہ دن کا روزہ ہو اور پوری پوری رات قرآن کے ساتھ بسر ہو۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے یہ نرمی رکھی ہے کہ اسے فرض نہیں کیا۔

شاید آپ کو بھی یہ بات معلوم ہو کہ ہمارے یہاں یہ روایت جاری رہی ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کے متعلق میرے علم میں یہ ہے کہ ان کی حیات میں وہاں پورے رمضان المبارک کے دوران تراویح میں دو دو اور تین تین ہزار آدمی شریک ہوتے تھے۔ معلوم نہیں ہو سکا کہ اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے یا نہیں۔ وہاں کا معمول یہ نہیں تھا' جس سے ہم واقف اور جس کے ہم عادی ہیں کہ گھنٹہ سوا گھنٹہ میں بیس تراویح اور بعد کے تین وتر پڑھے اور فارغ ہو گئے۔ بلکہ خانقاہ میں

معمول یہ تھا کہ ہر چار رکعات تراویح کے بعد آدھا آدھا گھنٹہ' پون پون گھنٹہ وقفہ ہوتا تھا' جس میں لوگ مختلف اشغال میں مصروف ہو جاتے تھے۔ کچھ لوگ اذکار و اوراد میں لگ جاتے تھے' کچھ علیحدہ علیحدہ ٹکڑیوں میں بٹ جاتے تھے جن میں وعظ و نصیحت ہوتی تھی' کچھ لوگ قرآن مجید سے جو اگلی چار رکعتوں میں پڑھا یا جانا ہوتا تھا' اس متن کی تلاوت کر رہے ہوتے' اس کے بعد پھر کھڑے ہو کر اگلی چار رکعتیں پڑھی جاتیں۔ ہر تراویح کے دوران پورے رمضان میں یہ دستور رہتا تھا۔ اس طرح ساری رات قرآن مجید اور ذکر و وِرد میں گزرتی تھی۔ یہ اس نقشہ پر عمل کی ایک صورت ہے جو ان دو احادیث کے مطالعہ سے سامنے آتا ہے۔ اگر خلوص و اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ یہ عمل ہو تو جو لوگ یہ کام کریں' شاید وہ ان بشارتوں کے مستحق بن جائیں جو اِن دو حدیثوں میں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان خوش بختوں میں شامل فرمائے جن کا ذکر ان احادیث میں ہے!

رمضان المبارک میں فرضیتِ روزہ

اب پھر آیت نمبر ۱۸۵ کی طرف رجوع کیجئے! رمضان کے روزے کے لئے حکم آیا کہ تم میں سے جو بھی اس مہینہ میں موجود ہو وہ لازماً روزہ رکھے۔ اب پورے ماہ کے روزوں کی فرضیت کا حکم آ گیا۔ ایامِ بیض کے روزوں کے لئے جو دو رعایتیں تھیں وہ برقرار رہیں۔ ﴿وَمَنْ کَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ﴾ ''اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزے رکھ کر گنتی پوری کر لے''۔ لیکن وہ رعایت جو ایامِ بیض کے حکم کے ساتھ دی گئی تھی کہ ایک روزے کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے' اس رعایت کو منسوخ اور ساقط کر دیا ہے۔ البتہ یہاں یہ بات سمجھ لیجئے کہ اس رعایت کو قرآن مجید نے منسوخ و ساقط کیا ہے' لیکن رسول اللہ ﷺ نے خاص حالات میں اس کو قائم رکھا ہے' جیسے کوئی شخص بہت بوڑھا ہو گیا ہو اور اب اس میں روزہ رکھنے کی بالکل استطاعت ہی باقی نہ رہی ہو' کوئی دائمی مریض ہو جسے اب شفا کی کوئی توقع ہی نہ رہی ہو' مثلاً کوئی ٹی بی کی تھرڈ اسٹیج میں ہے یا کوئی ذیابیطس کا دائمی مریض ہو گیا ہے

اوراس کے صحت یاب ہونے کی کوئی امید نہیں ہے۔اسی پر ایسے مختلف عوارض وامراض کو قیاس کر لیجئے۔ایسے لوگوں کے لئے نبی اکرم ﷺ نے یہ رعایت برقرار رکھی ہے کہ وہ فی روزہ ایک مسکین کو دو وقت کا پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیں۔کھانے کی جگہ اناج کی مقدار اور چند دوسری شرائط کا بھی تعین کیا گیا ہے۔الغرض خاص حالات میں اس رعایت کو حضور ﷺ نے باقی رکھا ہے۔اہل سنت کے نزدیک یہ بات اصولاً طے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ اختیار ہے کہ آپؐ قرآن کے خاص کو عام اور قرآن کے عام کو خاص کر سکتے ہیں' قرآن کے حکم پر اضافہ فرما سکتے ہیں اور قرآن کے حکم کی تبیین میں مزید حکم دے سکتے ہیں۔یہ منکرین سنت کی گمراہی ہے کہ وہ حضور ﷺ کی سنت اور آپؐ کے احکام کو دین میں حجت نہیں مانتے۔حالانکہ بعض احادیثِ صحیحہ میں بصراحت آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''یہ نہ سمجھنا کہ کھانے پینے کی صرف وہی چیزیں حرام ہیں جن کا قرآن میں ذکر ہے' کچھ اور چیزیں بھی ہیں جن کی حرمت کا میں تمہیں حکم دے رہا ہوں''۔یا جیسے قرآن مجید میں حکم آیا کہ ایک شخص بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں نہیں رکھ سکتا۔حضور ﷺ نے اسے مزید عام کر دیا کہ پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو بھی بیک وقت نکاح میں نہیں رکھا جا سکتا۔ایسی بے شمار مثالیں ہیں۔اس وقت میں نے چند مثالیں اس لئے دی ہیں کہ اگر کسی شخص کے ذہن میں یہ اشکال ہو کہ حضور ﷺ نے بوڑھوں اور دائمی مریضوں کے لئے رمضان کے روزے کے فدیہ کو برقرار کیسے رکھا' تو وہ اشکال رفع ہو جائے اور یہ بات واضح ہو جائے کہ یہ چیزیں رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں شامل ہیں اور ان کا آپؐ کو حق حاصل ہے۔

آگے چلئے' ابھی آیت نمبر ۱۸۵ ہی کا سلسلہ جاری ہے' فرمایا: ﴿یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَلَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ﴾ ''اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے دشواری و سختی اور تنگی نہیں چاہتا''۔یعنی یہ ساری رعایتیں اور سہولتیں جو بیان ہوئیں اس سے مقصود اللہ کو بندوں کے حق میں آسانیاں فراہم کرنا ہے' نہ کہ دشواریاں' سختیاں اور تنگیاں۔لہٰذا بیماری یا سفر کی وجہ سے جو روزے قضا ہو جائیں' بعد میں ان کی تکمیل کر

لو۔یہاں یہ بات سمجھ لیجئے کہ یہ نیکی اور تقویٰ کا غلط تصور ہے کہ ایک سو چار ڈگری کا بخار ہے اور روزہ چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔سفر پر جا رہے ہیں اور روزوں کا اہتمام والتزام بھی ہو رہا ہے۔یہ درحقیقت اپنے اوپر تشدد ہے اور یہ بھی ایک طرح کا کفران نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رعایتیں دی ہیں' آپ ان سے فائدہ نہیں اٹھا رہے۔اکثر لوگوں کو خواہ مخواہ یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ آج کل کا سفر بھی کون سا مشکل سفر ہے۔حالانکہ آپ کو کیا پتہ کہ آپ کراچی سے لاہور کے لئے ریل میں چلے اور راستہ میں گاڑی کسی معمولی پلیٹ فارم پر پانچ چھ گھنٹے کے لئے رک گئی۔اب آپ کیا کریں گے؟ اسی پر قیاس کر لیجئے کہ آج کل کے سفر میں بھی کس طرح کی تکالیف آ سکتی ہیں۔اب اگر اللہ تعالیٰ نے رعایت دی ہے تو کسی کے اس سے استفادہ کرنے کو ہرگز گھٹیا بات نہ سمجھئے' بلکہ اس کے لئے اصول دے دیا گیا۔حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: ((یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا)) (متفق علیہ: عن انس بن مالک) ''لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرو' سختی اور تنگی پیدا نہ کرو''۔

صحیح احادیث میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک سفر پر جا رہے تھے' دیکھا کہ کچھ لوگ بے ہوشی کے عالم میں پڑے ہوئے ہیں اور لوگ ان کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے ہیں۔دریافت فرمایا کہ کیا معاملہ ہے؟ بتایا گیا کہ یہ لوگ روزے سے تھے اور دھوپ کی تمازت سے ان پر غشی طاری ہو گئی۔تو حضور ﷺ نے فرمایا: ((لَیْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّیَامُ فِی السَّفَرِ)) (رواہ النسائی: عن ابی مالک الاشعری) ''سفر میں روزہ رکھنا نیکی کی بات نہیں ہے''۔یہ درحقیقت اپنے اوپر تشدد ہے جو اللہ کو پسند نہیں ہے۔جہاں رعایت دی ہے وہاں اس رعایت سے فائدہ اٹھائیے۔اس موقع پر ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ بلاغت قرآنی کا یہ ایک عام اسلوب ہے۔لہٰذا آیت کے اس حصہ میں یُسر و عُسر کا معاملہ صرف صیام پر موقوف نہیں ہے۔ہر حکم کی تہہ میں بندوں کے حق میں رحمتیں اور مصلحتیں ہی ملیں گی۔جہاں کوئی دشواری یا معذوری پیش آئے وہاں کوئی نہ کوئی مناسب و متناسب رعایت یا رخصت رکھ دی گئی ہے۔

اب آیت کی طرف پھر رجوع کیجئے اور دیکھئے کہ ﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾ کے فوراً بعد فرمایا: ﴿وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ﴾ یہ رعایتیں ہیں' لیکن چھوٹ نہیں ہے' یہ اس لئے رکھی گئی ہیں تاکہ بعد میں تم تعداد پوری کرلو۔ تعداد بہر حال پوری کرنی پڑے گی۔ یہ نہیں ہے کہ آپ فدیہ دے کر روزہ رکھنے سے بچ جائیں۔ یہاں صیغہ امر کا ہے۔ ﴿وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ﴾ یہاں حرفِ ''ل'' لامِ تاکید ولزوم ہے۔ یعنی لازم ہے کہ بعد میں تعداد پوری کرو۔ آگے فرمایا: ﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ ''اور تاکہ تم اپنے ربّ کی تکبیر کرو۔ (اس کی کبریائی کا اظہار کرو) اس پر کہ جو اُس نے تمہیں راہِ راست دکھائی (جو ہدایت تمہیں عطا فرمائی) اور تم شکر گزار بن کر رہو''۔

یہ تکبیر کیا ہے اور یہ شکر کیا ہے؟ وہ یہ کہ تم کو اندازہ ہو' آگہی ہو' شعور وادراک ہو کہ یہ قرآن اللہ کی کتنی عظیم نعمت اور کتنی بڑی دولت ہے! اب یہ بات سمجھنے کی ہے کہ اس نعمت اور دولت کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ کب اور کیسے ہوگا! یہ بات سطوت وعظمت قرآن مجید سے متعلق ہے۔

ہمارے غور وفکر کے لئے اس آیت میں ایک اہم نکتہ ہے۔ اس مقام پر قرآن مجید کو ''هُدًى لِّلنَّاس '' فرمایا گیا ہے۔ یعنی اسے تمام انسانوں کے لئے ہدایت قرار دیا گیا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سورۃ البقرۃ کے بالکل آغاز میں اسی قرآن کے متعلق فرمایا جاتا ہے: هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ''یہ متقیوں کے لئے ہدایت ہے''۔ اب ان دونوں باتوں میں جو ربط و تعلق ہے' اسے سمجھنا ہوگا۔ قرآن مجید میں بذاتہٖ اور فی نفسہٖ تو ہدایت کا سامان پوری نوع انسانی کے لئے موجود ہے' لیکن اس سے ہدایت وہی حاصل کرے گا جس میں تقویٰ کی کچھ نہ کچھ رمق اور تلاشِ حق کی کچھ نہ کچھ طلب موجود ہو۔ یہ چیز ابوجہل میں نہیں تھی' چنانچہ وہ خالی رہا' قرآن کی ہدایت سے استفادہ نہیں کرسکا اور اس سے محروم رہا۔ ابولہب کیوں محروم رہا؟ اس لئے کہ اس میں بھی تقویٰ کی نہ کوئی رمق تھی اور نہ ہی خدا ترسی کا مادہ تھا۔ گویا ہدایت کی طلب ہی موجود نہیں تھی۔ تو جب تک طلب

موجود نہ ہو کوئی استفادہ کیسے کرے! جیسے آپ کو معلوم ہے کہ جب تک پیاس نہ لگے' اس وقت تک آپ کو پانی کی قدر و قیمت کا اندازہ ہی نہیں ہوسکتا۔ ہاں پیاس لگی ہوئی ہو اور پھر پانی کا ایک گھونٹ ملے تو معلوم ہوگا کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ اگر پیاس کے باعث جان پر بنی ہو تو بڑے سے بڑا بادشاہ بھی ایک گھونٹ پانی کے عوض اپنی پوری سلطنت دینے پر آمادہ ہو جائے گا۔ شدید بھوک لگی ہوئی ہو تو سوکھی روٹی بھی پراٹھا معلوم ہوگی۔ لیکن اگر بھوک نہیں تو آپ چاہے شیر مال رکھ دیجئے' اس کی طرف طبیعت راغب ہی نہیں ہوگی۔ پس معلوم ہوا کہ جب تک طلب نہ ہو اُس وقت تک کسی شے کی قدر و قیمت کا احساس نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ طلب پیدا کرنے کے لئے تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے۔ اس روزے سے تمہارے اندر تقویٰ ابھرے گا۔ اب اس تقویٰ کی پونجی کو لے کر رات کو اپنے ربّ کے حضور کھڑے ہو جاؤ اور اب تمہارے قلب پر اس قرآن کا نزول ہو۔ یہ بارانِ رحمت' یہ بارش جان افزا جب تم پر برسے گی تب تم کو احساس ہوگا کہ یہ کتنی عظیم نعمت ہے' کتنی بڑی دولت ہے' اور اللہ کا کتنا بڑا انعام واحسان ہے کہ اس نے ہمیں یہ کلام پاک عطا فرمایا۔ آپ کو معلوم ہے کہ کلام متکلم کی صفت ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ قرآن مجید اللہ کی صفت ہے۔ ہماری اصوات اور حروف والفاظ میں مصحف کے اندر لکھی ہوئی اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام ہمارے سامنے ہے۔ اس قرآن کے ذریعہ سے ہمیں اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ وہ ہم سے کلام فرما رہا ہوتا ہے اور ہم اس سے مناجات کر رہے ہوتے ہیں۔ یہی بات ہے جو بڑے پیارے اور دل نشین الفاظ میں علامہ اقبال نے ان اشعار میں کہی ہے۔

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است!
چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود!

مثلِ حق پنہاں و ہم پیدا ست ایں
زندہ و پائندہ و گویاست ایں

"اس کتاب کے بارے میں جو بات میرے دل میں پوشیدہ ہے' اسے اعلانیہ ہی کہہ گزروں! حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب نہیں' کچھ اور ہی شے ہے! یہ کتابِ حکیم جب کسی کے باطن میں سرایت کر جاتی ہے تو اس کے اندر ایک انقلاب برپا ہو جاتا ہے اور جب کسی کے اندر کی دنیا بدل جاتی ہے تو اس کے لئے پوری دنیا ہی انقلاب کی زد میں آ جاتی ہے! یہ ذاتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا کلام ہے' لہٰذا اسی کے مانند پوشیدہ بھی ہے اور ظاہر بھی اور جیتی جاگتی بولتی بھی ہے اور ہمیشہ قائم رہنے والی بھی۔"

روح کی غذا۔ قرآن حکیم

آپ کو اس قرآن عظیم کی عظمت کا اگر کچھ اندازہ کرنا ہو تو اس تمثیل پر غور کیجئے جو سورۃ الحشر میں بیان ہوئی ہے۔ ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ﴾ "اگر ہم نے اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتار دیا ہوتا (اور انسان کی طرح اس میں سمجھنے کا جوہر رکھا ہوتا) تو تم دیکھتے کہ وہ جھک جاتا اور پھٹ جاتا اللہ کے خوف سے"۔ ﴿وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ﴾ "اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ (اپنے رویہ اور اپنی حالت پر) غور وفکر کریں"۔ اب دیکھئے وہ مساوات (equation) مکمل ہوگئی کہ قرآن مجید سے استفادہ کے لئے شرطِ لازم بھی تقویٰ ہے اور روزے کا مقصد بھی تقویٰ ہے۔ لہٰذا روزے سے تقویٰ حاصل کیجئے اور رات کو قرآن کی بارش اپنے اوپر برسایئے' تاکہ آپ کے اندر جو آپ کی روحِ مَلکوتی ہے وہ اس سے نشوونما حاصل کرے' وہ روح جو اللہ نے پھونکی تھی۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ﴾ (الحجر:۲۹) "اور میں نے اُس میں اپنی روح میں سے پھونکا"۔ پس ہمارا ایک حیوانی وجود ہے اور ایک روحانی وجود ہے۔ بقول شیخ سعدیؒ

آدمی زادہ طرفہ معجون است — از فرشتہ سرشتہ وز حیواں!

اس روحانی وجود سے ہم غافل رہتے ہیں جبکہ حیوانی وجود کی بابت ہمیں ہر شے کی خبر ہے۔ پیٹ کھانے کو مانگتا ہے تو دوڑ دھوپ کرتے ہیں۔ کوئی اور تقاضا ابھرتا ہے تو اس کو پورا کرنے کے لئے تگ ودو کرتے ہیں۔ لیکن روح سے غفلت رہتی ہے۔ وہ بے چاری سسکتی رہتی ہے' کمزور اور لاغر ہوتے ہوتے بے جان ہو جاتی ہے۔ اس رمضان نے کیا کیا؟ یہ کیا کہ عام دنوں کے عمل کو پلٹ دیا۔ یعنی اس حیوانی وجود یعنی جسم کے تقاضوں کو ذرا دباؤ' ان میں کمی کرو' دن میں بطن وفرج کے تقاضوں پر پابندیاں اور قدغنیں لگاؤ۔ رویہ' اخلاق اور معاملات میں خاص طور پر چوکس اور چوکنے رہو۔ ان کے ضمن میں دین کے اوامر ونواہی پر شعوری طور پر عمل پیرا رہو۔ اللہ نے آسودگی اور خوشحالی دی ہے تو ہاتھ کو مزید کشادہ کرو۔ حاجت مندوں' مسکینوں اور فقراء کے زیادہ سے زیادہ کام آؤ تاکہ حیوانی جبلتوں کا بوجھ روح پر سے کم ہو۔ پھر روح کی غذا کی طرف شعوری طور پر متوجہ ہو جاؤ اور وہ روحانی غذا کلامِ ربّانی ہے۔

بات کو مزید سمجھ لیجئے۔ ہمارا جسم کہاں سے بنا؟ مٹی سے! ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ﴾ "اسی (مٹی) سے ہم نے تمہیں بنایا اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے"۔ یہ جسدِ خاکی زمین سے آیا ہے۔ چنانچہ اس کی غذا بھی اسی سے حاصل ہوتی ہے۔ ہماری تمام ضروریاتِ زندگی کی فراہمی زمین سے ہوتی ہے۔ بطور مثال غذا اور خوراک کو لے لیجئے' وہ کہاں سے آتی ہے؟ گندم اور دوسری اجناس کہاں سے آتی ہیں؟ آپ جو گوشت کھاتے ہیں' وہ کہاں سے بنا ہے؟ اس بکری نے بھی تو زمینی نباتات کھائی ہیں جن سے گوشت بنا۔ یہی دودھ کا حال ہے۔ الغرض ہمارے وجودِ حیوانی کے لئے ساری ضروریات وہیں سے فراہم ہوتی ہیں جہاں سے ہمارا یہ وجودِ حیوانی خود آیا ہے۔ اور جو ہماری روحِ ربّانی ہے' روحِ مَلکوتی ہے' یہ اس عالمِ خاکی کی شے نہیں ہے۔ یہ عالَمِ ناسوت سے متعلق نہیں ہے' یہ عالَمِ علوی سے ہے۔ ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ یہ روح عالمِ مَلکوت سے آئی ہے' اسی کی طرف اسے لوٹنا ہے۔ یہ رُوح امرِ ربّ ہے۔ ﴿قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ﴾ "کہہ دیجئے (اے نبیؐ!) کہ یہ روح میرے

رب کے امر سے ہے۔'' اور امرِ ربّ کی تقویت کا سامان کلامِ ربّ ہے۔ وہ بھی وہیں سے آیا ہے۔

ایک بڑی پیاری حدیث ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے عظمت و مقامِ قرآن کو اور اس کے حبلُ اللہ ہونے کی حیثیت کو بیان فرمایا ہے۔ معجم طبرانی کبیر میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک موقع پر حضور ﷺ اپنے حجرۂ مبارک سے برآمد ہوئے' آپؐ نے دیکھا کہ مسجد نبویؐ کے ایک کونے میں کچھ لوگ بیٹھے قرآن پڑھ رہے ہیں اور پڑھا رہے ہیں۔ درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہے۔ حضور ﷺ کے چہرۂ انور پر بشاشت اور خوشی کے آثار ظاہر ہوئے۔ حضور ﷺ ان کے پاس چل کر تشریف لے گئے اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوال کیا: ((اَلَیْسَ تَشْھَدُوْنَ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَاَنَّ الْقُرْاٰنَ جَآءَ مِنْ عِنْدِاللّٰہِ)) ''کیا تم اس بات کی گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ تنہا ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں؟ اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ کہ قرآن اللہ کے پاس سے آیا؟'' حضرت جبیرؓ آگے روایت کرتے ہیں کہ: قُلْنَا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ''ہم نے عرض کیا: یقیناً ایسا ہی ہے اے اللہ کے رسول!'' حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی اس تصدیق و شہادت کے بعد فرمایا: ((فَاَبْشِرُوْا فَاِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ طَرَفُہٗ بِیَدِ اللّٰہِ وَ طَرَفُہٗ بِاَیْدِیْکُمْ)) ''پھر تو خوشیاں مناؤ' اس لئے کہ اس قرآن کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ایک سرا تمہارے ہاتھ میں ہے''۔ آگے ارشاد ہوا: ((فَتَمَسَّکُوْا بِہٖ فَاِنَّکُمْ لَنْ تَھْلِکُوْا وَلَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ اَبَدًا)) ''پس اسے مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھو! (اگر تم نے ایسا کیا) تو اس کے بعد تم نہ کبھی ہلاک ہو گے اور نہ کبھی گمراہ''۔ اس حدیث شریف میں گویا حبلُ اللہ کی شرح موجود ہے کہ یہ قرآن حکیم ہے۔ اب اگر اس حدیث کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث اور شامل کر لی جائے تو قرآن مجید کے حبل اللہ ہونے کی بات بالکل واضح اور مبرہن ہو جائے گی۔ آپؓ روایت کرتے ہیں: قال رسول اللہ ﷺ: ((کِتَابُ اللّٰہِ ھُوَ حَبْلُ اللّٰہِ الْمَمْدُوْدُ مِنَ

السَّمَاءِ اِلَی الْاَرْضِ)) ''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کی کتاب ہی اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے''۔

بہرحال اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ قرآن مجید' یہ کلام ربّانی روح کے تغذیہ و تقویت کا سبب ہے۔ اب جبکہ اس روح کو اس کی اصل غذا ملے گی تو وہ اس سے از سرِنو قوی اور توانا ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہو گی اور ''اپنے مرکز کی طرف پرواز'' کا نقشہ پیش کرے گی تو تمہارے قلب کی گہرائیوں سے اللہ کے شکر کا چشمہ ابل پڑے گا۔ پھر اس شکر کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ اس کا بڑا پیارا بیان اگلی آیت نمبر ۱۸۶ میں ہے۔

روزہ اور دُعا

فرمایا: ﴿وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ﴾ ''اور (اے نبی!) جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو (آپؐ کہہ دیجئے) میں نزدیک ہی ہوں''۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال و جواب ایک علیحدہ سی بات ہے' صیام کے احکام کے ضمن میں کیسے آگئی! لیکن غور کیجئے تو صاف سمجھ میں آجائے گا کہ جب صیام و قیام کے نتیجہ میں ایک بندۂ مؤمن کی روح کو جلا ملی اور جب اس کے قلب میں شکر کا جذبہ اُبھرا تو اس کا عین تقاضا ہے کہ تعلق مع اللہ کے جوش و ولولہ میں شدت پیدا ہو' طبیعت میں اللہ سے مانگنے' اس سے سوال کرنے' اس کے آگے ہاتھ پھیلانے' اس کے سامنے گڑگڑانے' اس سے استغفار کرنے' اس سے عفو و مغفرت طلب کرنے' اس کی طرف رجوع کرنے اور اپنی خطاؤں' معصیتوں اور لغزشوں سے توبہ کرنے کے جذبات موجزن ہوں۔ گویا اب بندہ اللہ کی طرف ہمہ تن اور پوری یکسوئی سے متوجہ ہوا۔ اب فطری طور پر دل میں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ میرا ربّ مجھ سے کتنا دُور ہے؟ لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی! جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے دریافت کریں تو میری طرف سے ان سے کہہ دیجئے: ﴿فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ﴾ ''پس میں نزدیک ہی ہوں''۔ یہ ہے ایک بندۂ مؤمن کے ہمہ تن متوجہ ہونے کا نتیجہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبیؐ کی زبانی کہ جن کو مشرکین و کفار مکہ تک

الصادق اور الامین جانتے اور مانتے تھے‘ اہل ایمان کو اپنی قربت کی یقین دہانی کرا رہا ہے۔ ہماری سب سے بڑی کمزوری اور بیماری ہماری غفلت ہے۔ ہماری توجہ اللہ کی طرف نہیں بلکہ دنیا کی طرف اور اپنے نفس کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جانا ہی درحقیقت ہماری ہدایت کا اصل راز ہے۔ جب روح کو کلامِ ربّانی سے ازسرنو تقویت حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنے ربّ کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے تو اسے بہت قریب پاتی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ ؕ﴾ ”اور (اے نبی!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو ان کو بتا دیجیے کہ میں قریب ہوں (کہیں دور نہیں ہوں)“

اللہ تعالیٰ بندوں سے کتنا قریب ہے! اس کے ضمن میں سورۂ قٓ (جو مکی سورۃ ہے) کی آیت نمبر ۱۶ کے یہ الفاظ مبارکہ ﴿وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ ﴿۱۶﴾﴾ اور اللہ کی معیت کے لیے سورۃ الحدید (جو مدنی ہے) کی آیت نمبر ۴ کے یہ الفاظ مبارکہ ﴿وَ ہُوَ مَعَکُمۡ اَیۡنَ مَا کُنۡتُمۡ﴾ پیش نظر رہیں! اپنے ربّ کو ڈھونڈنے کے لئے‘ اس سے مناجات کرنے کے لئے‘ اس سے راز و نیاز کرنے کے لئے‘ اس سے عرض و معروض کرنے کے لئے‘ اس سے طلب کرنے کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہے‘ وہ بالکل قریب ہے۔ اور اگلی بات فرمائی: ﴿اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ ”میں تو ہر پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں جب مجھے پکارے“۔ یہ تو تم ہو کہ ہماری طرف رُخ نہیں کرتے اور متوجہ نہیں ہوتے۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہروِ منزل ہی نہیں!

پھر یہ تو ہر شب کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ رات کے پچھلے پہر اللہ تعالیٰ سمائے دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور پھر ایک صدا ہوتی ہے‘ ندا لگتی ہے: هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَيُعْطٰى؟ هَلْ مِنْ دَاعٍ فَيُسْتَجَابُ لَهٗ؟ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَيُغْفَرُ لَهٗ؟ (رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ ؓ) ”ہے کوئی مانگنے والا کہ اسے عطا کیا جائے؟ ہے کوئی پکارنے والا کہ اس کی دُعا

قبول کی جائے؟ ہے کوئی گناہوں سے مغفرت چاہنے والا کہ اس کی مغفرت کی جائے؟“ تو ہم اللہ سے غائب ہیں‘ وہ تو غائب نہیں۔

ایک عربی نظم کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔ کس قدر پیارے اشعار ہیں!

اَغِیْبُ وَذُو اللَّطَائِفِ لَا یَغِیْبُ — وَاَرْجُوْہُ رَجَاءً لَا یَخِیْبُ
کَرِیْمٌ مُنْعِمٌ بَرٌّ لَطِیْفٌ — جَمِیْلُ السِّتْرِ لِلدَّاعِیْ مُجِیْبُ
فَیَا مَلِکَ الْمُلُوْکِ اَقِلْ عِثَارِیْ — فَاِنِّیْ عَنْکَ اَنْأَتْنِی الذُّنُوْبُ

”میں غائب ہو جاتا ہوں وہ صاحبِ الطاف و کرم تو غائب نہیں ہوتا‘ میں نے اس سے ایسی آس لگا رکھی ہے جو یاس میں نہیں بدلتی۔ وہ کریم ہے‘ عطا کرنے والا ہے‘ نہایت مہربان ہے‘ لطیف ہے۔ بڑی خوبصورتی سے پردہ پوشی کرنے والا ہے‘ پکارنے والے کی دعا قبول کرنے والا ہے۔ پس اے بادشاہوں کے بادشاہ! میری لغزشوں سے درگزر فرما‘ مجھے تو میرے گناہوں نے تجھ سے دور کر دیا!“

اللہ سے دوری کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم اس کی طرف متوجہ نہیں ہیں۔ وہ تو ہر جگہ‘ ہر آن موجود ہے۔ ہماری تو جہات کسی اور طرف ہیں۔ آپ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: ﴿اِنِّیۡ وَجَّہۡتُ وَجۡہِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ۚ﴾ ”میں نے متوجہ کر لیا ہے اپنے چہرے کو اسی (اللہ) کی طرف جس نے بنائے آسمان اور زمین‘ سب سے یک سو ہو کر اور مَیں نہیں ہوں مشرکوں میں سے۔“ یہ دوسری بات ہے کہ یہ الفاظ کہہ دینے کے باوجود اللہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ توجہ اپنے حساب کتاب میں رہتی ہے‘ دماغ اپنے دُنیوی معاملات ہی کی چکی میں پستا رہتا ہے۔

اس آیۂ مبارکہ کی طرف دوبارہ توجہ فرمایئے: ﴿وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ﴾ — اب رمضان و قرآن اور صیام و قیام‘ ان سب کا جو مشترک نتیجہ نکلے گا‘ وہ یہ ہے کہ تمہاری روح بیدار ہو گی‘ تقویت پائے گی اور اللہ کی طرف متوجہ ہو گی۔ تو اس کے لئے خوشخبری ہے کہ میں کہیں دور نہیں ہوں۔ مجھے تلاش کرنے کے لئے کہیں بیابانوں

میں جانے کی اور پہاڑوں کی غاروں میں تپسیائیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہارے بالکل قریب ہی ہوں گویا ؎

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی!

تمام قدیم مذاہب میں اللہ کے ساتھ بندوں کے ربط و تعلق کا مسئلہ ہمیشہ ایک لاینحل گتھی بنا رہا ہے۔ اکثر مذہبوں نے تو اللہ کو اتنا دور اور بندوں سے اتنا بعید فرض کر لیا ہے کہ اس تک براہ راست رسائی گویا ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ ایسے تمام مذاہب نے اللہ کے دربار تک رسائی کے لیے بے شمار واسطے اور وسیلے گھڑ لیے ہیں اور نا قابل فہم مشرکانہ نظام بنا لیے ہیں۔ قرآن نے اس وہم کو دُور کر کے صاف صاف بتا دیا ہے کہ تم جسے دُور سمجھ رہے ہو‘ وہ دُور نہیں ہے‘ تمہارے بالکل قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے لیے کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے‘ جب چاہو اور جہاں چاہو اُس سے ہم کلام ہو جاؤ۔ اقبال نے اپنی ایک نظم میں نقشہ کھینچا ہے کہ اللہ کا ارشاد ہے کہ یہ جو میرے دربان بن کر بیٹھ گئے ہیں کہ ان کو خوش کیے بغیر مجھ تک رسائی نہیں ہو سکتی‘ یہ سب ڈھکوسلہ ہے۔ ان کو ہٹا دو‘ میرا دربار ہر ایک کے لیے ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ یہاں کسی کے لیے کوئی قدغن نہیں‘ خلوص کے ساتھ جب اور جہاں چاہو مجھے پکارو اور مجھ سے جو چاہو مانگو۔ علامہ اقبال کا شعر ہے ؎

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اُٹھا دو!

یہ نہیں ہے کہ تمہاری دُعا کسی پوپ‘ کسی پادری‘ کسی پروہت‘ کسی پجاری‘ کسی پنڈت یا کسی پیر ہی کی وساطت سے مجھ تک پہنچ سکتی ہے! دیکھئے عجب اتفاق ہے کہ اللہ اور بندے کے درمیان حائل ہونے والے سب مہاپرشوں کے نام ’’پ‘‘ ہی سے شروع ہوتے ہیں۔ تو ان سب خود ساختہ واسطوں اور وسیلوں کو درمیان میں سے ہٹا دو۔ اللہ کا ربط و تعلق بندے کے ساتھ براہِ راست ہے۔ یہاں کسی واسطے کی ضرورت ہے ہی

نہیں! اس تعلق کے مابین حجاب ہم خود ہیں۔ ہماری حرام خوری ہے جو حجاب بنی ہوئی ہے۔ ہماری غفلتیں ہیں جو حجاب بنی ہوئی ہیں۔ اپنی غفلتوں کا پردہ چاک کیجئے اور آج اللہ کی جناب میں توبہ کیجئے! وہ ہر آن‘ ہر لحظہ تمہاری دُعا کو سننے والا ہے۔ وہ ہمیشہ ہی قریب رہتا ہے اور رمضان میں تو اس عموم میں خصوص پیدا ہو جاتا ہے۔ ذرا سوچئے تو سہی کہ آیت مبارکہ کے اس حصہ میں ہمارے لیے کتنی بشارت‘ تسلی‘ تسکین اور راحت کا سامان رکھ دیا گیا ہے۔ اس میں انسان کے لیے کتنی آزادی کا پیغام ہے! آپ کو معلوم ہے کہ دنیا میں انسانی حقوق کے منشور (Magnacharta) کی بہت دھوم ہے‘ جبکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بڑا میگنا کارٹا اور کوئی نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ربط و تعلق‘ اس سے فریاد‘ اس سے استغاثہ‘ اس سے حاجت روائی کی درخواست میں کوئی ’’پ‘‘ سے شروع ہونے والا‘ جن کی فہرست مَیں گنوا چکا ہوں‘ حائل نہیں ہے۔

میں صوفیاء کرام کے سلسلۂ ارشاد کی نفی نہیں کر رہا۔ کوئی خدا ترس مرشد ہو‘ جو قرآن و سنت کی روشنی میں تزکیۂ نفس کرنے اور صحیح طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے صراط مستقیم پر چلانے والا ہو تو ﴿كُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ ۝﴾ کی قرآنی ہدایت کے مطابق ایسے مرشدین سے ضرور فیض حاصل کرنا چاہئے۔ لیکن ہمارے یہاں پیری مریدی کا جو عام اور غلط تصور رائج ہے اس کے اعتبار سے میں اس کی نفی کر رہا ہوں۔

یہاں نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے ہمیں خوش خبری دی جا رہی ہے:
﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾ آپ کو معلوم ہو گا کہ دُعا کے لیے وضو بھی شرط نہیں‘ آپ حالات ناپاکی میں بھی دُعا مانگ سکتے ہیں۔ دُعا پر کوئی قدغن نہیں ہے‘ آپ ہر حال میں اپنے ربّ کے حضور دستِ سوال دراز کر سکتے ہیں۔

البتہ ایک بات ملحوظ رہے‘ آیت کے اس حصہ میں پکارنے والے کی ہر پکار سننے اور جواب دینے کا ذکر ہے۔ یہاں یہ شبہ لاحق نہ ہو کہ ہر دُعا کے قبول کرنے کا حتمی وعدہ

بھی ہے۔ بیچارے بندے کو کیا خبر کہ وہ جو دُنیوی چیز اللہ سے مانگ رہا ہے‘ اس میں اس کے لیے خیر ہے یا شر! کون سی شے اس کے حق میں مفید ہو گی اور کون سی مضر! دُعائیں وہی قبول ہوں گی جو اللہ کی رحمت و حکمتِ مطلقہ کے منافی نہیں ہوں گی۔ لیکن نبیٔ رحمت ﷺ نے یہ خوش خبری دی ہے کہ بندۂ مؤمن کی کوئی دُعا نہ ردّ ہوتی ہے‘ نہ ضائع۔ وہ جس چیز کے لیے دُعا کرتا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کے علم کاملہ میں بندے کے حق میں مفید ہوتی ہے تو اسے وہی عطا کر دی جاتی ہے‘ یا پھر اس سے بہتر چیز عنایت ہو جاتی ہے‘ یا پھر اللہ ربّ الکریم اس دُعا کو بندے کے حق میں نیکی قرار دے کر اس کے اجر و ثواب کو آخرت کے لیے محفوظ فرما لیتا ہے‘ اس دُعا کے عوض اس کے نامۂ اعمال میں سے بہت سی برائیوں کے داغ دھو دیئے جاتے ہیں۔ الغرض بندۂ مؤمن کی کوئی دُعا ضائع نہیں ہوتی۔ وہ کسی نہ کسی صورت میں قبول ہوتی ہے۔

اب اس آیت مبارکہ کا اگلا حصہ پڑھئے۔ اس میں دو شرطوں کا بیان آ رہا ہے۔ پہلی یہ کہ: ﴿فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ﴾ اور دوسری یہ کہ ﴿وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ﴾ ان دونوں کو سمجھنا ہو گا۔ پہلی شرط میں فرمایا کہ میرے بندوں کو بھی چاہیے کہ میرا حکم مانیں‘ میری پکار پر لبیک کہیں۔ میں جب پکاروں فوراً حاضر ہو جائیں‘ جس چیز کا حکم دوں بجا لائیں‘ جس کام سے اور جس چیز سے روک دوں‘ رک جائیں۔ ﴿فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ﴾ ”پس انہیں بھی چاہیے کہ میرے احکام قبول کریں۔“ یک طرفہ معاملہ (Oneway Traffic) نہیں چلے گا۔ آپ کو قرآن مجید میں یہ بات متعدد جگہ ملے گی کہ اللہ تعالیٰ یک طرفہ معاملہ نہیں فرماتا۔ جیسے سورۃ البقرۃ میں فرمایا: ﴿اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ﴾ ”تم اس عہد کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا ہے‘ میں اس عہد کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا ہے۔“ اور جیسے سورۂ ابراہیم میں فرمایا: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝﴾ ”اگر تم ہمارا شکر کرو گے تو ہم تمہیں اور زیادہ نعمتیں دیں گے‘ اور اگر تم نے ناشکری کی تو پھر ہمارا عذاب بھی بڑا سخت ہو گا۔“

اور جیسے سورۂ محمد (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ ”اے اہل ایمان! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے‘ تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔“ تم اللہ (کے دین) کی مدد نہ کرو‘ بلکہ اس کے دشمنوں سے ساز باز کرو‘ اس کے باغیوں سے یارانہ گانٹھو اور چاہو کہ اللہ تمہاری مدد کرے تو یہ نہیں ہو گا۔ ہاں اس کا ارشاد ہے کہ اگر تم مجھے یاد رکھو گے تو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ﴾ اور ایک حدیثِ قدسی میں تو بڑے پیارے الفاظ آتے ہیں کہ ”میرا بندہ میرے بارے میں جو یقین رکھتا ہے میں اس کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں‘ اگر وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے دل میں یاد کرتا ہوں‘ اور اگر وہ مجھے ساتھیوں میں یاد کرتا ہے تو میں اسے بہتر ساتھیوں میں (ملاءِ اعلیٰ‘ ملائکہ مقربین کی محفل میں) یاد کرتا ہوں‘ اور اگر وہ ایک بالشت بھر میرے قریب آتا ہے تو میں ہاتھ بھر اُس کے قریب ہو جاتا ہوں‘ اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب ہوتا ہے تو میں دو ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں اور اگر وہ چل کر میرے پاس آتا ہے تو میں اس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں“۔ (رواہ البخاری و مسلم) تو دو طرفہ معاملہ ہو گا۔ اسی طریقہ سے اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری دُعائیں قبول کروں تو تم بھی میری پکار پر لبیک کہو۔ ﴿وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ﴾ ”اور انہیں چاہیے کہ مجھ پر ایمان پختہ رکھیں“۔ اس آیت کا اختتام ہوتا ہے ان الفاظ مبارکہ پر: ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝﴾ ”تاکہ ان پر فوز و فلاح اور رشد و ہدایت کی راہیں کھل جائیں (اور یہ ان راہوں پر گامزن ہو جائیں)“۔

اگلی آیت (نمبر ۱۸۷) میں روزے سے متعلق احکام ہیں۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ ابتدائی حکم آیا تھا کہ ”تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا۔“ اب شریعت موسوی میں سحری کا کوئی نظام نہیں تھا۔ رات کو سو جاؤ تو روزہ شروع اور روزے کے دن کے علاوہ شب میں بھی تعلقِ زن و شو کی اجازت نہیں تھی۔ یہ دو شرطیں بڑی کڑی تھیں‘ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ مغالطہ تھا کہ شاید یہ پابندی ہمارے یہاں بھی ہے۔ لیکن چونکہ کوئی واضح حکم بھی نہیں تھا لہٰذا کوئی نہ کوئی رات کو بیوی کے ساتھ ہم

بستری کر بیٹھتا تھا‘ لیکن دلوں میں یہ احساس بھی ہوتا تھا کہ ہم نے غلط کام کیا ہے‘ گناہ کا ارتکاب کرلیا ہے۔ اس پس منظر میں احکام دے دیئے گئے کہ اس اعتبار سے تمہارا روزہ یہود کے روزے سے مختلف ہے۔ ﴿اُحِلَّ لَکُمۡ لَیۡلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمۡ ؕ﴾ ’’حلال کیا گیا تمہارے لیے روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں سے ہم بستری اور ان سے تعلق قائم کرنا۔‘‘ ﴿ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لِبَاسٌ لَّھُنَّ ؕ﴾ ’’وہ تمہارے لیے بمنزلۂ لباس ہیں اور تم ان کے لیے بمنزلۂ لباس ہو۔‘‘ جیسے انسان کے لباس اور اس کے جسم کے درمیان کوئی شے حائل نہیں ہوتی ایسے ہی میاں بیوی کے درمیان‘ جیسا کہ ہم جانتے ہیں‘ کوئی پردہ نہیں۔ یہ بڑے لطیف انداز میں تعلق زن وشو کی تعبیر ہے۔

آگے ارشاد فرمایا: ﴿عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّکُمۡ کُنۡتُمۡ تَخۡتَانُوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ﴾ ’’اللہ خوب جانتا ہے کہ تم اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے۔‘‘ یہ بڑا ابلغ پیرایہ ہے۔ فرض کیجیے کہ ایک شخص بکری کا گوشت کھا رہا ہے‘ لیکن اسے شک ہے کہ شاید یہ سُور کا ہے‘ تو وہ گناہ گار ہوگیا‘ کیونکہ جیسے ہی اسے شک ہوا تھا کہ یہ خنزیر کا گوشت ہے‘ اسے رک جانا چاہئے تھا۔ اگر وہ اس شبہ کے باوجود کھا رہا ہے تو اپنے آپ سے خیانت کر رہا ہے۔ مفہوم یہ ہوا کہ اگرچہ فی نفسہٖ روزے کی شب میں تعلقِ زن وشو جائز تھا‘ لیکن جس کا یہ خیال تھا کہ یہ ناجائز ہے‘ پھر بھی کر بیٹھا‘ وہ تو گناہ گار ہوگیا۔ اب تسلی دی جارہی ہے کہ ﴿فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ وَ عَفَا عَنۡکُمۡ ۚ﴾ ’’اس نے تم پر نظرِ عنایت کی اور تمہاری خطا کو معاف کردیا‘‘۔ اس حصہ میں اللہ کے فضل وکرم کا بیان ہے۔ آگے قانون واضح فرما دیا کہ یہ حرام اور ناجائز ہے ہی نہیں۔ تم خواہ مخواہ کے شک اور وہم میں مبتلا رہے۔ ﴿فَالۡـٰٔنَ بَاشِرُوۡھُنَّ وَ ابۡتَغُوۡا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمۡ ۪﴾ ’’اب تم (روزے کی راتوں کو بلا روک ٹوک) مباشرت کر سکتے ہو اور (خواہش کرو‘ حاصل کرو) تلاش کرو جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔‘‘ اس سے مراد اولاد بھی ہے جو اللہ تعالیٰ اس تعلق زن و شو کے نتیجہ میں عطا فرماتا ہے اور تسکین بھی۔ ﴿لِتَسۡکُنُوۡۤا اِلَیۡھَا﴾ یہ بھی اللہ کی عطا کردہ نعمت ہے جو اللہ نے انسان کے لیے رکھی ہے۔

دوسری رعایت یہ ہے کہ ﴿وَ کُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا﴾ ’’کھاؤ اور پیو‘‘۔ رات کے وقت کھانے پینے پر کوئی قدغن نہیں ہے۔ البتہ ایک حد مقرر ہے‘ وہ ہے کہ ﴿حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الۡخَیۡطُ الۡاَبۡیَضُ مِنَ الۡخَیۡطِ الۡاَسۡوَدِ مِنَ الۡفَجۡرِ﴾ ’’یہاں تک کہ رات کی کالی دھاری سے صبح کی سفید دھاری تمہیں صاف دکھائی دینے لگے (ممیز ہوجائے)۔‘‘ یہ وہ وقت ہے جسے ہم پو پھٹنا کہتے ہیں۔ جب ایک لکیر سی مشرق میں نظر آتی ہے یہ گویا طلوعِ فجر ہے۔ اس وقت تک کھانے پینے کی اجازت ہے۔ یہ سحری ہے جس کی صرف اجازت ہی نہیں بلکہ تاکید ہے۔ حضور ﷺ کا ارشادگرامی ہے: ((سَحِّرُوْا فَاِنَّ فِیْهِ بَرَکَۃً)) ’’سحری ضرور کیا کرو‘ اس لیے کہ اس میں بڑی برکت ہے۔‘‘ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ ہمارے اور یہود کے روزے کے مابین درحقیقت یہ سحری ہی مابہ الامتیاز شے ہے۔ پھر اس میں بڑی وسعت رکھی گئی ہے۔ فرض کیجیے کہ کوئی مسلمان سحری کھا رہا ہے۔ ایک نوالہ اس کے مُنہ میں ہے اور ایک ہاتھ میں ہے اور شک ہوگیا ہے کہ شاید پو پھٹ گئی ہے‘ تب بھی وہ اس برکت کو پورا کرلے۔ اس میں تشدد اور سختی سے منع کیا گیا ہے۔ گویا اس طور پر نبی اکرم ﷺ ﴿یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَ لَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ﴾ کی تبیین اور تشریح فرما رہے ہیں۔ آگے فرمایا: ﴿ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیۡلِ ۚ﴾ ’’پھر روزے کو پورا کرو رات تک‘‘۔ اہل سنت کے تمام فقہی مکاتب کے نزدیک غروبِ آفتاب کے معاً بعد رات شروع ہوجاتی ہے۔ یہ بات نبی اکرم ﷺ کی سنت سے ثابت ہے۔ اس بارے میں احادیث شریفہ میں ہمیں حضور ﷺ کی یہ تاکید ملتی ہے کہ افطار میں جلدی کیا کرو‘ اسی میں برکت ہے۔ اس میں تاخیر مناسب نہیں ہے۔ اہل تشیع کے یہاں معاملہ مختلف ہے‘ لیکن ہمارے لیے صحیح عمل یہی ہے کہ سنت کے مطابق غروب آفتاب کے فوراً بعد افطار کرلیا جائے۔

اس آیت کے آخری حصے میں حکم آیا کہ: ﴿وَ لَا تُبَاشِرُوۡھُنَّ وَ اَنۡتُمۡ عٰکِفُوۡنَ ۙ فِی الۡمَسٰجِدِ﴾ ’’اور اگر تم مسجدوں میں اعتکاف کی حالت میں ہو تو رات کو بھی تعلقِ زن وشو کی اجازت نہیں۔‘‘ اس سے معلوم ہوا کہ اعتکاف ماہ رمضان المبارک کی ایک

خصوصی عبادت ہے۔ حضور اکرم ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ یہ نبی اکرم ﷺ کی سنت اور بڑی عظیم نفلی عبادت ہے۔ اس کے تفصیلی احکام بھی سنت ہی سے ملتے ہیں۔ اعتکاف کی برکات اور حکمتوں کے متعلق موقع ملا اور اللہ کو منظور ہوا تو پھر کبھی تفصیل سے کچھ عرض کروں گا۔ یہاں حالت اعتکاف میں مباشرت کی قطعی ممانعت وارد ہوگئی۔ البتہ بیوی مسجد میں آسکتی ہے، گفتگو کرسکتی ہے، مشورہ لے سکتی ہے۔ آگے فرمایا: ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ﴾ ''یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، ان کے قریب بھی مت جانا۔'' تجاوز کرنا تو دُور کی بات ہے، وہ کھلی معصیت ہے، فرمایا جا رہا ہے کہ حدود کے قریب بھی نہ پھٹکنا، ذرا فاصلے پر ہی رہنا۔

اس بات کو نبی اکرم ﷺ نے ایک نہایت بلیغ اسلوب سے سمجھایا اور واضح فرمایا ہے کہ: ''ہر بادشاہ کی ایک محفوظ چراگاہ ہوتی ہے۔ اللہ نے جو چیزیں حرام کردی ہیں وہ اس کی محفوظ چراگاہ کے مانند ہیں۔ کوئی چرواہا اپنے گلّے کو اگر آخری حد تک لے جائے گا تو کبھی کوئی بھیڑ بکری چھلانگ لگائے گی اور اس ممنوعہ چراگاہ میں داخل ہوجائے گی۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ کچھ فاصلے پر رہو''۔ اس آیت کا اختتام ان الفاظ مبارکہ پر ہوتا ہے: ﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝﴾ ''اس طرح اللہ اپنی آیات کی لوگوں کے لیے وضاحت فرماتا ہے (اپنے احکام کھول کھول کر بیان کرتا ہے) تاکہ وہ اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچیں (تقویٰ اختیار کریں)''۔ یہاں اس رکوع کی پانچویں آیت ختم ہوتی ہے۔ پہلی آیت ختم ہوئی تھی ان الفاظ پر ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ جبکہ یہ آیت ختم ہوتی ہے ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ پر۔ اس سے بھی آپ رمضان کے پورے پروگرام کا تقویٰ سے جو گہرا تعلق ہے، اس کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

اکلِ حلال اور تقویٰ کا باہمی تعلق

اس رکوع کی آخری آیت کا بظاہر رمضان کے روزوں سے تعلق معلوم نہیں ہوتا، لیکن حقیقت میں بہت گہرا تعلق ہے۔ اس لیے کہ دو مقامات پر بڑے شدّ و مدّ سے روزوں کی غایت تقویٰ بیان فرمائی گئی ہے۔ اس کے متعلق سوچنا پڑے گا کہ اس تقویٰ

کا ''معیار'' کیا ہے اور اس کا عملی ظہور کس طور سے ہوگا! کیا تقویٰ کا تعلق کسی خاص قسم کی وضع قطع سے ہے! کیا تقویٰ کسی خاص شکل وصورت کا نام ہے کہ داڑھی رکھ لی ہے، وہ بھی ''شرعی مقدار'' کے مطابق؟ اور ازار ٹخنوں سے اونچا پہننے کا اہتمام ہے؟ تو کیا اس طرح تقویٰ کے تقاضے پورے ہوگئے؟ معاذ اللہ ان چیزوں کی نفی نہیں ہے۔ جو چیز بھی سنت کے مطابق ہے، وہ اپنی جگہ نورانی ہے اور یقیناً ہمارے لیے قابل قدر ہے۔ میں نے یہ اندازِ گفتگو آپ لوگوں کو چونکانے کے لیے اختیار کیا ہے، چونکہ اصل تقویٰ یہ چیزیں نہیں ہیں۔ اصل تقویٰ کیا ہے؟ وہ ہے اکلِ حلال!

اکلِ حلال ہے تو تقویٰ ہے، یہ نہیں ہے تو تقویٰ نہیں ہے۔ چاہے کتنی ہی شکل و صورت اور وضع قطع ان چیزوں کے مطابق بنا لی گئی ہو جن کو عام طور پر ''تقویٰ'' سمجھا جاتا ہے وہ اصل تقویٰ نہیں ہے۔ عبادتوں کے کتنے ہی ڈھیر لگا لئے گئے ہوں اور ہر سال عمرے پر عمرے اور حج پر حج کئے جارہے ہوں تو یہ بھی اصل تقویٰ نہیں ہے۔ یہ اہم بات سمجھنے کی ہے۔ میں پہلے آپ حضرات کو بتا چکا ہوں کہ روزے میں آپ حلال چیزیں کیوں نہیں کھاتے! تعلقِ زن وشو قائم کیوں نہیں کرتے! اس لیے کہ اللہ کا حکم نہیں ہے۔ لیکن روزے کی حالت میں آپ دوسرے نواہیٔ شریعت کا ارتکاب کررہے ہیں تو آپ نے درحقیقت روزہ رکھا ہی نہیں۔ یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا۔ یہ فتویٰ ہے محمد رسول اللہ ﷺ کا۔ حضور نے فرمایا:

((مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ)) (بخاری، ابو داوٗد، ترمذی: عن ابی ھریرہ ؓ)

''جو شخص روزے کی حالت میں جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑتا تو اللہ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔''

محض بھوکا پیاسا رہنے سے کیا حاصل؟ یہ روزہ تو نہ ہوا کہ روزہ رکھا ہوا ہے اور کاروبار میں، عام بات چیت میں دھڑلّے سے جھوٹ بول رہے ہیں۔ روزہ رکھا ہوا ہے اور جُوا کھیل رہے ہیں، تاش، شطرنج، کیرم یا اسی نوع کی خرافات کا شغل ہو رہا ہے۔ کوئی

ٹو کے تو جواب ملتا ہے کہ ''روزے کو بہلایا جا رہا ہے''۔ ''غیبت'' از روئے قرآن مجید کیا ہے؟ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھانا! روزہ رکھ کر حلال جانور کا حلال گوشت تو کھا نہیں رہے اور بے محابہ غیبتیں کر کر کے اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھا رہے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ — یہ روزہ کہاں ہوا! یہ فاقہ ہے' روزہ نہیں! یہ میرا یا کسی مولوی کا نہیں بلکہ حضور ﷺ کا فتویٰ ہے۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ((کَمْ مِّنْ صَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ صَوْمِہٖ اِلَّا الْجُوْعُ......)) ''کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں جن کو اپنے روزے سے بھوک پیاس کے سوا اور کچھ نہیں ملتا۔'' تو اگر فی الواقع روزہ رکھا ہوا اور اس کے نتیجے میں تقویٰ پیدا ہو تو اس کا معیار اور اس کی کسوٹی ہے اکلِ حلال!

چنانچہ اس رکوع کی آخری آیت میں فرمایا: ﴿وَلَا تَاۡکُلُوۡۤا اَمۡوَالَکُمۡ بَیۡنَکُمۡ بِالۡبَاطِلِ﴾ ''اور آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔'' یعنی حرام طریقوں سے ایک دوسرے کے مال ہڑپ نہ کرو۔ ﴿وَ تُدۡلُوۡا بِہَاۤ اِلَی الۡحُکَّامِ﴾ ''اور اپنے اموال کو (رشوت کے طور پر اور ناجائز طریقوں سے دے دلا کر) حکام تک پہنچنے کا ذریعہ مت بناؤ۔'' ﴿لِتَاۡکُلُوۡا فَرِیۡقًا مِّنۡ اَمۡوَالِ النَّاسِ بِالۡاِثۡمِ وَ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ﴾ ''کہ اس طرح لوگوں کے مال کا کچھ حصہ جانتے بوجھتے ناحق اور گناہ سے ہضم کر جاؤ۔'' یعنی ایسا نہ کرنا کہ حکام کو رشوت دی اور کسی کا حق اپنے نام کرا لیا' قاضی کو کوئی رشوت دی اور کسی کی زمین کی ڈگری اپنے نام کرا لی' سرکاری اہل کاروں کو رشوت دی اور کسی کا مال کھا گئے۔ گویا یہ رشوت حرام کی ایک بڑی نمایاں شکل ہے۔

اس آخری آیت کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں تو حرام کاروبار سے اور دیگر حرام طریقوں سے آمدنی کی کلی ممانعت ہوگئی۔ جیسے سودی لین دین' سٹہ اور اسی قبیل کے تمام ناجائز ذرائع سے کمائی کی نفی ہوگئی۔ دوسرے حصہ میں حکام تک رسائی کے لیے رشوت کو ذریعہ بنانے اور لوگوں کے مال ناحق اور ناجائز طریقوں سے ہڑپ کرنے سے مجتنب اور باز رہنے کی خاص طور پر تاکید ہوگئی اور روزے اور رمضان کے احکام کے ساتھ اس آیت کو رکھ کر گویا یہ رہنمائی دے دی گئی کہ جان لو کہ اصل تقویٰ یہ

ہے۔ اگر حرام خوری سے باز نہ آؤ تو پھر چاہے تم عبادات کے ڈھیر پر ڈھیر لگا لو' وہ تقویٰ حقیقی نہیں ہوگا' بلکہ تقویٰ کا بہروپ ہوگا۔ وہ تمہاری کچھ رسومات ہیں جن کا تم نے طومار باندھ رکھا ہے' وہ حقیقی عبادات سرے سے ہیں ہی نہیں!

اس آیت مبارکہ اور ان احادیث سے جو ابھی پڑھی گئی ہیں' یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تقویٰ کا حقیقی معیار اکلِ حلال ہے۔ اکل حلال کی اہمیت کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث کا مزید مطالعہ کر لیجیے۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں اور اسے امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ حدیث مبارک کے الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا)) ''بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ صرف پاک چیزیں ہی قبول کرتا ہے۔'' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے قرآن حکیم کی دو آیات تلاوت فرمائیں جن میں رسولوں اور مؤمنوں کو اکلِ حلال کا حکم دیا گیا ہے۔ ثُمَّ ذَکَرَ الرَّجُلَ یُطِیْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ ''پھر حضور ﷺ نے ایک آدمی کا ذکر فرمایا جو لمبا سفر طے کر کے آتا ہے' اس کے بال پراگندہ اور غبار آلود ہیں''۔

فرض کیجیے کہ کوئی شخص آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے دور دراز سے حج کے لیے نکلا ہے اور بہت طویل سفر کر کے عرفات تک پہنچا ہے۔ آج کل تو آپ ہوائی جہاز سے تین چار گھنٹے میں جدہ اور آگے ایک ڈیڑھ گھنٹے میں مکہ مکرمہ پہنچ جاتے ہیں۔ پھر حج کے مناسک کی ادائیگی کے لیے جو سہولتیں اس دَور میں مہیا ہیں' ان سے متمتع ہو کر اگر واپسی کی جلدی ہو تو زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ میں حج کے تمام مناسک سے فارغ ہو کر آرام سے اپنے شہر واپس پہنچ سکتے ہیں۔

لیکن ذرا اُس دَور کا تصور کیجیے کہ کوئی شخص فَجٍّ عَمِیْقٍ (دور دراز کی راہوں) سے آیا ہے۔ اسے تو مہینوں کی مسافرت طے کرنی پڑی ہے۔ اس کا جو حلیہ بنا ہوگا اسے چشمِ تصور میں لایئے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: ((یَمُدُّ یَدَہٗ اِلَی السَّمَاءِ یَا رَبِّ یَا رَبِّ)) ''یہ شخص آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھ دُعا کے لیے اُٹھا کر پکار رہا ہے اے

میرے پروردگار! اے میرے مالک و آقا!'' ((وَ مَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَّ مَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَّ مَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَّ غُذِّيَ بِالْحَرَامِ)) ''حالانکہ اس کا کھانا بھی حرام کا' پینا بھی حرام کا' لباس بھی حرام کا اور اس کا جسم حرام کی غذا سے بنا ہے۔'' اس شخص کے بارے میں حضورﷺ فرماتے ہیں: ((فَاَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ؟)) ''تو ایسے شخص کی دُعا کیسے قبول کی جائے؟''

یہ حرام خوری اس کے اور اس کے ربّ کے درمیان حجاب بن گئی ہے۔ اس کی دُعا قبول ہو تو کیسے ہو؟ ایک وضاحت پیشِ نظر رہے کہ یہاں جس حرام کا ذکر ہے اُس سے کھانے پینے کی وہ چیزیں مراد نہیں ہیں جو نصوصِ قطعی سے حرام ہیں' بلکہ وہ حرام خوریاں ہیں جن کا آج کل عام رواج ہے اور جن کے حرام ہونے کا خیال اِلاَّ مَاشَاءَ اللّٰہ لوگوں کو ہی رہ گیا ہے۔ اس رکوع کی یہ آخری آیت اس اعتبار سے بڑی اہم ہے کہ اس نے ہمارے سامنے حقیقی تقویٰ کا ایک معیار رکھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم ان تمام نواہی اور منکرات سے بچ سکیں جن سے ہمارا دین ہمیں بچانا چاہتا ہے' اور صحیح تقویٰ اختیار کرنے کے لیے ہمارے دلوں میں طلب صادق پیدا فرمائے اور اس پر پوری زندگی مستقیم رہنے کے لیے ہماری نصرت فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین!

اقول قولی هذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

☆ — ☆ — ☆

حکمتِ نبویؐ کا دوسرا شاہکار

روزہ اور قرآن کی شفاعت

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا **اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ** ﷺ **قَالَ: ((اَلصِّيَامُ وَالْقُرْاٰنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ ' يَقُوْلُ الصِّيَامُ: اَيْ رَبِّ اِنِّيْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ ' وَيَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ: مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ ' فَيُشَفَّعَانِ))**

(رواہ احمد والطبرانی والبیهقی)

حضرت عبداللہ بن عمرو (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''روزہ اور قرآن دونوں (قیامت کے روز) بندے کی سفارش کریں گے۔ (یعنی اُس بندے کی جو دن میں روزے رکھے گا اور رات میں اللہ کے حضور کھڑے ہو کر اُس کا پاک کلام قرآن مجید پڑھے گا یا سُنے گا) روزہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور نفس کی خواہش کو پورا کرنے سے روکے رکھا تھا' آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا: میں نے اس کو رات کو سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا' خداوند! آج اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ چنانچہ (روزہ اور قرآن) دونوں کی سفارش (اُس بندہ کے حق میں) قبول کی جائے گی''۔ (اور اس کے لیے جنت اور مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جائے گا۔)

☆ — ☆ — ☆

مرکزی **انجمن خُدّامُ القرآن** لاہور

کے قیام کا مقصد

مَنبعِ ایمان ......اور...... سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے **علم وحِکمت** کی

وسیع پیمانے......اور......اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر واشاعت ہے

تاکہ امتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں **تجدیدِ ایمان** کی ایک عمومی تحریک برپا ہوجائے

اور اس طرح

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ -اور- غلبۂ دینِ حق کے دَورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

تنظیمِ اسلامی کا پیغام — نظامِ خلافت کا قیام

تنظیمِ اسلامی

مروجہ مفہوم کے اعتبار سے

نہ کوئی سیاسی جماعت نہ مذہبی فرقہ

بلکہ ایک اصولی

اسلامی انقلابی جماعت

ہے جو اولاً پاکستان اور بالآخر ساری دنیا میں

دینِ حق

یعنی اسلام کو غالب یا بالفاظ دیگر

نظامِ خلافت

کو قائم کرنے کیلئے کوشاں ہے!

امیر: **حافظ عاکف سعید**